سکوت گل
رائٹر: عبداللہ رؤف

انتساب

سمعیہ جاوید کے نام —

جن کی خاموش دعاؤں، لفظوں کی تمنا، اور احساس کی نمی نے
مجھے "سکوتِ گل" جیسے نازک مگر گہرے ناول کو لفظوں میں ڈھالنے کا حوصلہ دیا۔

یہ کہانی اُن لمحوں سے جنم لی جو اُن کے دل میں تھے —
اور میری انگلیاں صرف وہ راستہ تھیں
جن سے وہ جذبات کاغذ پر اترے۔

تم نہ ہوتیں،
تو شاید یہ سکوت کبھی گل نہ بنتا۔

— عبداللہ رءوف

باب و موضوعات::

تعارف مصنف

(2 ستمبر 2009)

اچھا تیرے شہر کا دستور ہو گیا

جس کو گلے لگایا وہ دور ہو گیا

کاغذ میں دب کر مر گئے کیرے کتاب کے

شاعر بے پرہے لکھے مشہور ہو گیا

رحیم یار خان سے تعلق رکھنے والے ایک انٹرمیڈیٹ پارٹ ون میڈیکل سے تعلق رکھنے والے شاگرد محمد عبداللہ رؤف دو ستمبر کو پیدا ہوئے۔

آپ کے والد کا نام عبد الرؤف ہے۔ جو کہ ایک ٹریڈر اور پراپرٹی ڈیلر ہیں۔

عبداللہ نے دوسری جماعت تک رحیم یار خان میں پڑھا، دوسری جماعت کے امتحانات دینے کے بعد وہ ملتان چلے گئے۔ وہاں انہوں نے تیسری اور چوتھی جماعت کے امتحانات پاس کیے۔ اس کے بعد کاروباری حالات خراب ہونے کی وجہ سے ان کے والد کا بزنس نہ چل سکا اور وہ واپس رحیم یار خان تشریف لے آئے اور نیشنل گیڑیزن سکینڈری سکول میں تعلیم کا آغاز کیا۔ چھ سال کے بعد وہ میٹرک کے امتحان پاس کرنے کے بعد آکسبڑیج کالج میں داخل ہو گئے۔

نیشنل گیریزن سکینری سکول میں آپ کی ملاقات حافظ و عالم ماسٹرز اف انگلش اینڈ ماسٹرز اف اردو مولانا شکیل صاحب مسٹر محمد ابراہیم اور مفتی اشفاق جیسے عظیم استادوں سے ہوئی ان کی تربیت میں رہتے ہوئے آپ نے بہت سی چیزیں سیکھی خصوصی طور پر مولانا شکیل صاحب کے علم سے مستغنی ہوئے اور اردو ناولز لکھنا شروع کر دیے۔

انہوں نے اپنے استاد مبارک کو کچھ یوں خراج تحسین پیش کیا :

آج جوش و جنون میں ہے علم کا سمندر

چٹانیں خوف سے سلام کہتی ہیں

چٹانیں جوش سے سلام کہتی ہیں

انہی کے شاگردگی میں رہتے ہوئے آپ نے دسویں جماعت میں اپنا پہلا ناول "خواب چاند" لکھا مگر اس کے باب 21 پر ایک جگہ پر ان کا قلم رک گیا پھر اس سے آگے نہ لکھ سکے۔ امتحانات کی مصروفیت کی وجہ سے لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میٹرک کے

امتحانات کے بعد لکھنے کا دوبارہ آغاز کیا اور ایک اور ناول "عظیم چمکتا ستارہ" چائنیز لٹریچر کے مطابق لکھنے کی کوشش کی مگر اس میں بھی کامیاب نہ ہو سکے پھر انہوں نے "حجاب" نامی ناول لکھا اسے بھی مکمل نہ کر پائے۔

مایوسی کے اس عالم میں ان کو ایک ترکیب سوجی انہوں نے بہت سی ناول کی کہانیاں سننا شروع کر دی۔ جن سے ان کی سوچ اور خیالات وسیع ہوئے اور پھر اپنے استاد مبارک سے مشورہ کرتے ہوئے۔ انہوں نے سو باب پر مشتمل ایک ناول "روح ایا" مکمل کر لیا۔

پھر ان کی ملاقات آن لائن سمیہ نامی خاتون سے ہوئی۔ جن کے کہنے پر انہوں نے ناول " سکوت گل " لکھا۔ یہ ایک فرضی کہانی ہے جو کہ عبداللہ کے ہاتھوں لکھی اور سمیہ کی زبانی ہے۔

اپنے دسویں کے دوران ہی انہوں نے پنجاب کالج سے تعلق رکھنے والے استاد عمران بشیر کی کتاب پڑھنا شروع کر دی۔ جس کی وجہ سے ان میں شاعری کا ذوق بڑھا اور شیر بھی کہنے لگے۔ ان کا اپنا لکھا گیا ایک شعر یہ ہے:

عجیب قسمت نوں پھیر لگ گے

دکھاں دے درداں دے ڈھیر لگ گے

اساڈی قسمت ہرن بھی دے ہی

زینب دے کیکڑاں نووی بیر لگ گے

"سکوت" سے مراد ہے "خاموشی یا گہرائی" اور "گل" "پھول" کو کہتے ہیں تو "سکوت گل" سے مراد "گہرائی یا خاموشی کے پھول" ہیں۔

پیش لفظ

"سکوتِ گل" — از قلم عبداللہ رءوف

خاموشی بھی کبھی بولتی ہے۔

کبھی آنکھوں کے راستے،

کبھی لفظوں کے بغیر،

اور کبھی صرف ایک خوشبو کے ذریعے—

جیسے جاسمین کی وہ ہلکی سی خوشبو جو کسی کی غیر موجودگی میں بھی موجود رہتی ہے۔

یہ کہانی محبت کی ہے،

لیکن وہ محبت جو چیختی نہیں،

بس وقت کے ساتھ خموشی میں کھلتی ہے۔

یہ کہانی ہے سَمّیہ کی —

ایک ایسی عورت جو لفظوں میں شاعری تھی،

اور سَمَد کی —

جو خود ایک بند کتاب تھا،

جسے صرف سَمّیہ نے پڑھا، سمجھا اور مکمل کیا۔

اور پھر، یہ کہانی ہے چھوٹی سمیہ کی —

جو اُس خاموش محبت کی اگلی قسط ہے،

جو بظاہر ختم ہو گئی تھی،

مگر درحقیقت نیا جنم لے رہی تھی۔

ان تیس ابواب میں آپ کو

یادیں ملیں گی جو زخم نہیں دیتیں،

بلکہ زخموں کو سہلاتی ہیں۔

آنکھوں سے بہتے آنسو نہیں،

بلکہ دل میں اترتے الفاظ ملیں گے۔

یہ ناول محبت کے بعد کی دنیا کی کہانی ہے—

جہاں موت انجام نہیں،

بلکہ خاموشی کا ایک نیا آغاز ہے۔

جہاں قبریں صرف مٹی نہیں،

بلکہ دعاؤں کا مقام بنتی ہیں۔

جہاں ایک بچی کی مسکراہٹ،

ایک عورت کی خوابیدہ خواہشوں کو زندہ کرتی ہے۔

"سکوتِ گل"

ان کہی باتوں کا نام ہے—

جو سانسوں میں رہ کر بھی لفظوں تک نہیں پہنچتیں،

لیکن ہمیشہ محسوس ہوتی ہیں۔

یہ ناول میں نے نہیں لکھا،

یہ محبت نے لکھوایا ہے۔

اور اگر آپ کبھی کسی کو بے آواز چاہ چکے ہوں،

تو شاید یہ کہانی آپ ہی کی ہو۔

عبداللہ رءوف —

نوٹ

(یہ مکمل ناول ماضی کی ایک کہانی ہے،

اس کا ہر باب موضوع کے مطابق ہے)

سکوت گل

از قلم

محمد عبداللہ روف

پہلا پیغام

خاموشیوں میں بھی تیری آہٹ سنائی دی،

تو نہ تھا، مگر تیری یاد رہنمائی بنی۔

لاہور کے دل میں، جہاں دن بلند خوابوں سے گونجتے تھے اور راتیں خاموشیوں کی سلائی سے بُنتی تھیں، سمعیہ اپنے ہائی رائز اپارٹمنٹ میں تنہا بیٹھی تھی۔ کھڑکی سے باہر شہر کا منظر پھیلا ہوا تھا — نیون روشنیوں اور شور سے بھرپور — مگر اندر... سب کچھ ساکت محسوس ہو رہا تھا۔

گھر میں اس کا آفس ڈیسک بکھرا ہوا تھا: ایک سلور لیپ ٹاپ دھیرے سے ہنکار رہا تھا، ایک کرسٹل پین اسٹینڈ ایک طرف جھکا ہوا تھا، اور آدھا بھرا ہوا سبز چائے کا کپ جو اب ٹھنڈا ہو چکا تھا۔ اس کا فون ایک بار پھر بجا — انسٹاگرام پر نوٹیفیکیشنز کی بھرمار۔ برانڈ انکوائریز، کارپوریٹ پیغامات، اور وہ سطحی تعریفیں جن کا اثر سمعیہ پر اب ختم ہو چکا تھا۔

وہ تیزی سے ان سب کو سوائپ کرتی گئی، حتیٰ کہ ایک پیغام پر اس کی انگلی رک گئی۔

➢ @samad.ink

"پتا ہے یہ کافی بےتکی بات لگے گی، مگر میں بس یہ کہنا چاہتا تھا — آپ کا کام اکثر لوگوں کے الفاظ سے زیادہ بولتا ہے۔ سچائی سے لکھنے کے لیے شکریہ۔ یونہی چمکتی رہیں۔"

اس نے پلکیں جھپکیں۔ یہ پیغام نہ چمکدار تھا نہ فلرٹی۔ یہ سادہ تھا۔ سچا۔

اور شاید اسی میں کوئی ایسی بات تھی — شاید ایموجیز کی غیر موجودگی یا خاموش تحسین کی لَے — کہ وہ رک گئی۔

اس نے اس کا پروفائل کھولا۔ ایک سادہ سی فیڈ: پارچمنٹ کے بیک گراؤنڈ پر لکھے گئے اشعار، کچھ بلیک اینڈ وائٹ شہر کے مناظر، اور ایک پرانی تصویر — ایک آدمی ریلنگ سے ٹیک لگائے، چہرہ سائے میں چھپا ہوا۔ نہ کوئی بلیو ٹِک، نہ کوئی خاص اسٹائلنگ۔ بس... ایک شخص۔

سمعیہ کا انگوٹھا کی بورڈ پر رُکا۔ وہ عموماً اجنبیوں کو جواب نہیں دیتی تھی، خاص طور پر مردوں کو۔ اُس نے اپنی دیواریں بہت احتیاط سے اور بہت بلند بنائی تھیں۔ لیکن آج رات، شاید اس کے سینے میں کسی خالی پن کی چبھن یا شہر کی روشنیوں کی تنہائی کے باعث، اُس نے جواب دیا۔

➢ @samiya.rk

"شکریہ۔ یہ آپ کی مہربانی ہے۔ کیا آپ لکھاری ہیں؟"

پیغام بھیج دیا گیا۔ اس نے کسی جواب کی توقع نہیں کی۔ شاید وہ جواب نہ دے۔ شاید دے دے۔ مگر کچھ تو بدل چکا تھا۔

وہ واپس اپنے کام پر لوٹ گئی — ایک انویسٹر رپورٹ ٹائپ کرنے لگی — لیکن اس کی نظریں بار بار چیٹ پر جا ٹھہرتیں۔ چند منٹ بعد، ایک نیا پیغام آیا۔

➢ @samad.ink

"کوشش کر رہا ہوں۔ زیادہ تر وہ لکھتا ہوں جو تکلیف دیتا ہے یا سکون دیتا ہے۔ الفاظ عجیب ہوتے ہیں، نا؟ بعض اوقات یہ خاموشی کو اور بلند کر دیتے ہیں۔"

اس کے ہونٹوں پر ایک مدھم مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس رات ان کی بات چیت آدھی رات سے بھی آگے چلی۔

اس نے بتایا کہ وہ اسلام آباد میں ایجوکیشنل پبلشنگ میں کام کرتا ہے — لیکن دن کے کناروں پر شاعری بھی کرتا ہے۔

اس نے بتایا کہ کس طرح ایک اسٹارٹ اپ کی قیادت کا ہنگامہ خیز سفر ہے، اور کیسے پروپوزل لکھنا اس کا خاموش فرار ہے۔

انہوں نے ذاتی باتیں نہیں کیں۔

لیکن ان کے الفاظ کے درمیان ایک ایسا ساز بجنے لگا — جیسے لہریں ساحل پر اعتبار کرنا سیکھ رہی ہوں۔

جب وہ آخرکار فون رکھ کر لیٹی، اس کے خیالات غیر معمولی طور پر خاموش تھے۔

وہ اسے جانتی نہیں تھی۔

مگر اس کے الفاظ... جیسے کسی اچھی نظم کی آخری سطر — دیر تک دل میں رہ جانے والی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

اجنبی اور دھاگے

تیرے بعد بھی دل نے تری چاہت نہ چھوڑی،

دھوپ میں بھی چھاؤں کی وہ عادت نہ چھوڑی۔

سمعیہ کبھی ان عورتوں میں سے نہیں رہی تھی جو فون کی اسکرین پر رکی رہتی ہیں۔

لیکن اگلی صبح، دانت برش کرنے سے پہلے، اس نے انسٹاگرام کھولا۔

- @samad.ink

"کل رات میں نے ایک ایسا جملہ خواب میں دیکھا جو میں کبھی لکھ نہیں پاؤں گا۔ شاید یہی شاعری ہے — جو ہمارے ہاتھ سے نکل جائے۔"

اس نے پیغام دو بار پڑھا۔

پھر تیسری بار۔

اس میں کچھ ایسا تھا — جیسے بارش سے پہلے کی خاموشی۔

خوبصورت۔ دل چھو لینے والا۔

- @samiya.rk

"شاید شاعری وہ بھی ہے... جو چپ چاپ ہمارے اندر رہ جائے۔"

اُس دن، کام کی میٹنگز اور چائے کے وقفوں کے بیچ وہ بات کرتے رہے۔

یہ سب بہت فطری لگ رہا تھا — جیسے ان کے جملے آپس میں کوئی پرانا رشتہ رکھتے ہوں۔

پسندیدہ الفاظ، بچپن کی یادیں، وہ ادھوری کتابیں جو مکمل نہ ہو سکیں لیکن دل سے نہ نکلیں۔

سمعیہ نے The Forty Rules of Love کا ذکر کیا؛

سمعاد نے جواب میں رومی کا ایک مصرع لکھا:

- "زخم وہ جگہ ہے جہاں سے روشنی تم میں داخل ہوتی ہے۔"

یہ محبت کی باتیں نہیں تھیں۔

انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔

ان کا رشتہ کسی اور گہرے مقام پر بن رہا تھا — جہاں خاموشیاں تعریفوں سے زیادہ بولتی ہیں، جہاں تجسس جسموں کا نہیں، روحوں کا ہوتا ہے۔

اسی شام، جب شہر باہر گونج رہا تھا، سمعیہ اپنے ریڈنگ کاؤچ پر سمٹ کر بیٹھی تھی،

فون ہاتھ میں — جیسے کسی صفحے کو پلٹنے سے ڈر لگ رہا ہو۔

- @samad.ink

"کیا آپ یقین رکھتی ہیں کہ دو اجنبی ایک دوسرے میں کچھ پہچان سکتے ہیں — اس سے پہلے کہ وہ جانیں وہ کیا ہے؟"

- @samiya.rk

"میرے خیال میں کچھ لوگ گھر جیسے لگتے ہیں — اس سے پہلے کہ ہم ان کی موجودگی کی زبان سمجھیں۔"

کافی دیر خاموشی رہی۔

منٹ گزر گئے۔

پھر ایک پیغام آیا:

- @samad.ink

"شاید آپ بھی ایسے ہی لگ رہی ہیں... جیسے کوئی نظم جسے میں بہت دیر سے پڑھنا چاہتا تھا۔"

سمعیہ نے وہ الفاظ گھور کر دیکھے۔

سانس تھمی سی لگنے لگی — کیا یہ سب بہت زیادہ تھا؟ بہت جلدی؟

مگر نہیں۔

یہ غلط نہیں لگا۔

یہ اچانک بھی نہیں لگا۔

یہ ایسا تھا...

جیسے کوئی دھاگا جو برسوں پہلے بندھا ہو — آج آہستگی سے کھنچ رہا ہو۔

اس نے جواب ٹائپ کیا:

- @samiya.rk

"شاید ہم اجنبی نہیں۔

شاید ہم بس دوبارہ ملے ہیں۔"

اس رات، دو مختلف شہروں میں، دو مختلف آسمانوں کے نیچے،

سمعیہ اور سمعاد کافی دیر تک جاگتے رہے۔

نہ کوئی کال ہوئی،

نہ تصاویر کا تبادلہ۔

مگر دلوں نے سننا شروع کر دیا تھا۔

اور ان کے الفاظ کے درمیان —

کچھ نازک اور خوبصورت کھِلنے لگا تھا۔

رات گئے اقرار

اک خط جو لکھا تھا بغیر پتے کے،
وہی میری پہچان بن گیا وقت کے آگے۔

رات ایک نرم پردے کی طرح اُتری

اسلام آباد کی فضا پرسکون تھی، صرف دور کہیں کسی کتے کے بھونکنے یا پنکھے کی مدھم آواز سے ٹوٹتی ہوئی۔ سمعیہ بالکونی میں بیٹھی تھی، شال میں لپٹی ہوئی، فون ہاتھ میں۔ چنبیلی کی خوشبو لیے ہوا اس کے بالوں سے کھیل رہی تھی۔

وہ نہیں جانتی تھی کہ سارا دن اُس کے جواب کا انتظار کیوں کرتی رہی۔

یہ اس کی فطرت نہیں تھی۔

پھر بھی، جب آخرکار اسکرین پر نوٹیفیکیشن روشن ہوا، اس کی سانس تھم گئی۔

➢ @samad.ink

"ایک عجیب سی بات بتاؤں؟ مہینوں بعد دل میں ایک سکون سا محسوس ہو رہا ہے۔ ایسا لگ رہا ہے جیسے تمہارے الفاظ نے میرے اندر کے شور کو کہیں ٹھہرنے کی جگہ دے دی ہو۔"

وہ نہیں جانتی تھی کہ اس کا کیا جواب دے۔

مگر اس کی انگلیوں نے سچائی سے ٹائپ کیا:

➢ @samiya.rk

"تو شاید یہ بات عجیب ہے ہی نہیں۔ شاید کچھ طوفان ایک دوسرے کو پہچان لیتے ہیں… اور ساتھ خاموش ہونا پسند کرتے ہیں۔"

ایک وائس نوٹ آیا — صرف چار سیکنڈ کا۔

تھوڑا جھجکتے ہوئے، اُس نے پلے دبایا۔

اس کی آواز دھیمی تھی، اس کی سوچ سے بھی زیادہ گہری، اور ہلکی سی بھاری۔

"کیا تم حقیقت میں ہو؟"

بس اتنا ہی کہا گیا تھا۔

سمعیہ نے فوراً جواب نہیں دیا۔

وہ اندر چلی گئی، بیڈ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی، اور کھڑکی کے شیشے میں اپنی پرچھائیں کو دیکھنے لگی۔ آنکھیں وہی تھیں، مگر ان میں کچھ بدل چکا تھا۔

ایک خاموش سی نرمی۔

ایک ایسا درد، جسے برسوں سے چھونے کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

پھر اس نے بھی ایک وائس نوٹ بھیجا — صرف تین سیکنڈ کا۔

"اگر میں نہیں ہوں..." اُس نے سرگوشی کی،

"...تو پھر تمہاری آواز کسی بچھڑے ہوئے شخص جیسی کیوں لگتی ہے؟"

اس کے بعد کچھ دیر تک کوئی پیغام نہیں آیا۔

مگر نیند بھی نہیں آئی۔

دونوں ایک دوسرے کا انتظار کرتے رہے۔

اور ٹھیک آدھی رات کے بعد، اس کا پیغام نمودار ہوا:

- @samad.ink

"میں پہلے سمجھتا تھا کہ میں اتنا ٹوٹا ہوا ہوں کہ کوئی مجھے دیکھ بھی نہیں سکتا۔

لیکن اب لگتا ہے... شاید میں بس اُن آنکھوں کا انتظار کر رہا تھا، جو صحیح دیکھ سکیں۔"

سمعیہ نے یہ پیغام بار بار پڑھا۔

جواب دینا ضروری نہیں تھا۔

کچھ سچائیاں خاموشی میں ہی کھلتی ہیں۔

اگلی صبح، مہینوں بعد سمعیہ نے اپنی ڈائری میں کچھ لکھا:

- "کچھ لوگ دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے۔

وہ پرانی کتابوں کی خوشبو کی طرح آتے ہیں —

مانوس، بے ارادہ،

لیکن کسی طرح... خوش آئند۔"

اس نے اس کا نام نہیں لکھا۔

مگر ضرورت بھی نہ تھی۔

نام تو پہلے ہی اس کے دل میں اگنا شروع ہو چکا تھا۔

⭐⭐⭐⭐⭐

خاموشی میں ایک آواز

سوال سا ہے یہ عشق تیرا،

جو ہر جواب کے بعد بھی خاموشی مانگے۔

دن گزرتے گئے۔

پیغامات کے ساتھ — نرم، دھیمے، جیسے کسی ویران صحن میں گرتے پتے۔

وہ زیادہ بات نہیں کرتے تھے،

مگر جب کرتے، کچھ اندر گہرائی میں ہلنے لگتا۔

سمعاد نے پھر کبھی وائس نوٹ نہیں بھیجا۔

ایسا نہیں کہ وہ نہیں چاہتا تھا —

بس وہ کسی چیز کا انتظار کر رہا تھا۔

شاید اجازت کا۔

شاید ہمت کا۔

شاید کسی لمحے کا... جو سچا لگے۔

وہ لمحہ ایک شام آیا، جب بجلی چلی گئی۔

سمعیہ اپنے کمرے کے فرش پر بیٹھی تھی،

موم بتیوں کی روشنی میں،

اور اپنی سوچوں کی خاموشی میں گم۔

اس کا فون روشن ہوا۔

@samad.ink

- "کیا تمہیں اندھیرے سے ڈر لگتا ہے؟"

اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا:

- "صرف ان باتوں سے جو میں اندھیرے میں سوچتی ہوں۔"

کچھ دیر توقف رہا۔

تین نقطے کافی دیر تک جھلملاتے رہے۔

پھر آخرکار:

- "کیا میں کال کر سکتا ہوں؟ بس ایک منٹ کے لیے۔"

وہ رُکی۔

پھر... "Accept" پر کلک کر دیا۔

رنگ ٹون نرم تھی — دو ہلکے دھڑکن جیسے سگنلز، پھر خاموشی۔

پھر... اس کی آواز۔

"ہیلو۔"

یہ ایک لفظ ایسے محسوس ہوا جیسے یہ صرف گلے سے نہیں، روح کی گہرائی سے نکلا ہو۔

سمعیہ کی آواز کانپ گئی: "ہیلو۔"

ایک لمحہ — ایک مکمل سانس — خاموشی سے بھرا رہا۔

پھر آہستہ آہستہ، نرمی سے سمعاد بولنے لگا۔

"پتا ہے میں آج رات کال کیوں کرنا چاہتا تھا؟" اُس نے پوچھا۔

"نہیں،" سمعیہ نے نرمی سے کہا۔

"کیونکہ میں سننا چاہتا تھا کہ خاموشی کیسی لگتی ہے… جب وہ تنہا نہ ہو۔"

اور وہ مسکرائی۔

انہوں نے زیادہ بات نہیں کی۔
مگر ان سات منٹوں میں، انہوں نے ایک دنیا بنا لی —
جہاں ان کہی باتیں بھی معنی رکھتی تھیں۔

انہوں نے چھوٹی چھوٹی باتیں کیں —
اس کی پسندیدہ موم بتی کی خوشبو (ونیلا اور چائے)،
اس کی عادت کہ وہ قلم جمع کرتا ہے جو کبھی استعمال نہیں کرتا،
اور یہ کہ دونوں کو شور والی جگہیں پسند نہیں۔

سمعیہ کی آواز پرسکون تھی، مدھم، نرمی میں لپٹی ہوئی۔
سمعاد کی آواز تھکن سے بھری ہوئی، لیکن گرم — جیسے کسی بھولے ہوئے شہر کی شام۔

آخر میں اس نے کہا، "شکریہ۔"

"کس لیے؟" سمعیہ نے پوچھا۔

"اس لیے…
کہ تم نے ثابت کیا کہ کچھ آوازیں واقعی انتظار کے قابل ہوتی ہیں۔"

کال ختم ہوئی —

لیکن اس کے بعد آنے والی خاموشی خالی نہ تھی۔

وہ مکمل تھی۔—

اسی رات، سمعیہ نے دوبارہ اپنی ڈائری میں لکھا:

➢ "اس کی آواز نے خاموشی کو پُر نہیں کیا —
اس نے اسے خوبصورت بنا دیا۔"

⭐⭐⭐⭐⭐

خواب اور فاصلوں کی بات

دل نے مانگا تھا ساتھ تیرا،

مگر نصیب نے فاصلہ لکھا۔

کچھ رشتے خاموشی سے کھِلتے ہیں — جیسے بارش کے بعد چنبیلی —

نہ کوئی گرج، نہ کوئی چمک، صرف خوشبو۔

کال کے بعد، ان کے درمیان کچھ بدل گیا تھا۔

الفاظ میں نہیں، وزن میں۔

اب ہر پیغام گہرائی رکھتا تھا۔

ہر خاموشی — مقدس محسوس ہوتی تھی۔

وہ روز بات نہیں کرتے تھے۔

مگر جب کرتے، تو وہ لمحے قیمتی ہو جاتے۔

ایک رات، جب شہر نیند میں لپٹا ہوا تھا

اور چاند آسمان میں ایک راز کی طرح جھکا ہوا تھا،

سمعاد کا پیغام آیا:

- "تمہارا سب سے بڑا خواب کیا ہے؟"

سمعیہ اس سوال کو دیکھتی رہی۔

اس کی انگلیاں کی بورڈ پر معلق رہیں۔

وہ کوئی عام سا جواب دے سکتی تھی — "سفر کرنا"، "کامیاب ہونا"، "آزاد ہونا" —

مگر وہ جھوٹ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

نہ اُس سے۔

اس نے سچ لکھا:

- "کسی سے بے خوف محبت کرنا۔

بغیر چھپے، مکمل۔"

سمعاد نے جواب دینے میں وقت لیا۔

جب اس کا جواب آیا، وہ سادہ تھا:

- "تو پھر میں دعا کرتا ہوں کہ میں اتنا بہادر بن سکوں… کہ اُس خواب کا حصہ بنوں۔"

اس رات انہوں نے معمول سے زیادہ بات کی۔

ہر بات پر۔

اور کسی بات پر بھی نہیں۔

محبت کے تصور پر — اقرار پر نہیں۔

اس نے بتایا کہ وہ ایک دن ایک چھوٹی سی کتابوں کی دکان کھولنا چاہتا ہے —
گرم روشنیوں والی، لکڑی کی شیلفوں کے ساتھ،
جہاں شام کو شاعری بلند آواز میں پڑھی جائے،
اور کافی کی خوشبو یادوں جیسی ہو۔

سمعیہ نے کہا کہ بعض اوقات وہ بھاگ جانا چاہتی ہے —
فرار کے لیے نہیں، بلکہ خود میں واپس آنے کے لیے۔

- "کیا تمہیں لگتا ہے کہ لوگ بغیر ملے بھی ایک دوسرے کو جان سکتے ہیں؟"

اس نے پوچھا۔

- "شاید،" اس نے کہا۔

"اگر وہ دل سے سنیں، تو۔"

اور وہ سن رہے تھے۔

ایک دوسرے کو۔

ان کہی باتوں کو۔

اپنی دنیاؤں کے بیچ کے فاصلے کو —
وہ اسلام آباد میں، وہ لاہور میں۔
فاصلہ حقیقت تھا،
مگر اب معنی نہیں رکھتا تھا۔

کیونکہ کسی طرح...
انہوں نے ایک دوسرے کی زبان میں خواب دیکھنا شروع کر دیا تھا۔

سونے سے پہلے، سمعیہ نے سینکڑوں جملے ٹائپ کیے، پھر مٹا دیے۔

آخرکار اُس نے بھیجا:

- "اگر تم کبھی وہ کتابوں کی دکان کھولو...

تو شاعری کے قریب والی کرسی میرے لیے رکھنا۔"

اور اس کا جواب آیا:

- —"صرف اس صورت میں اگر تم پہلا شعر خود پڑھو گی۔"

اُس رات، سمعیہ نے خواب میں دیکھا:

ہوا کے بغیر ہلتے ہوئے صفحات...

اور ایک لڑکا،

جو تب بھی سنتا تھا، جب وہ کچھ نہ کہتی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

بن دیکھے بندھن

کہیں گم ہو گیا ہے وہ لمس تیرا،

اب سانس بھی اجنبی لگتی ہے۔

اگر تم ساتھ ہو

تیری نظروں میں ہیں، تیرے سپنے

تیرے سپنوں میں ہیں، ناراضی

مجھے لگتا ہے کہ، باتیں دل کی

ہوتی لفظوں کی دھوکے بازی

تم ساتھ ہو، یا نہ ہو

کیا فرق ہے

بے درد تھی، زندگی

بے درد ہے

اگر تم ساتھ ہو

- - -

کچھ رشتے لمحوں سے نہیں،

بلکہ اُن خاموشیوں سے بنتے ہیں

جو ان لمحوں کے بیچ پھیلی ہوتی ہیں۔

دن گزرتے گئے۔

اب وہ ہر رات بات نہیں کرتے تھے —

نہ اس لیے کہ وہ ایک دوسرے سے دُور ہو گئے تھے،

بلکہ اس لیے کہ اب انہیں ہر لمحہ لفظوں سے بھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔

جو کچھ ان کے بیچ تھا،

وہ اب گہرائی میں اترنے لگا تھا —

کچھ ایسا، جو لفظوں سے ماورا تھا۔

سمعیہ اکثر اپنا فون دیکھتی —

صرف یہ دیکھنے کے لیے نہیں کہ اس کا کوئی پیغام آیا یا نہیں،

بلکہ اس کا نام،

جو خاموشی سے اس کی ان باکس میں پڑا رہتا،

یہی کافی ہوتا۔

یہ ایک خاموش تسلی تھی۔

وہ جاگ کر پرانے پیغامات پڑھتی —

جیسے کوئی دعا۔

دوسری طرف،

سمعاد دنیا کو ایک نیا رنگ دینے لگا تھا۔

ہر کتاب جو وہ پڑھتا —

اسے سمعیہ یاد آتی۔

ہر شعر —

ایسا لگتا جیسے اس کے نام کا کوئی حرف،

کہیں نہ کہیں چھپا ہوا ہے۔

ایک شام، اس نے ایک وائس نوٹ بھیجا —

اس کی آواز دھیمی تھی، جھجک سے بھری ہوئی:

- "میں نے کہیں پڑھا تھا کہ روحیں ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں —

اس احساس سے کہ وہ پہلے بھی ملی ہوں۔

میں نہیں جانتا کہ یہ سچ ہے یا نہیں،

مگر اگر ہے...

تو شاید جو کچھ ہمارے درمیان ہے، وہی ہے۔"

سمعیہ نے فوراً جواب نہیں دیا۔

اس نے وائس نوٹ دو بار سنا۔

پھر آنکھیں بند کیں، اور فون کو اپنے دل سے لگا لیا۔

اس کا دل —

جو اکثر احتیاط کی پنجرے میں بند رہا —

اس لمحے ایک پرندے کی طرح پھڑپھڑایا۔

مگر ڈرا نہیں۔

اگلے دن، اس نے ایک نظم کے ذریعے جواب دیا:

- "ہم کبھی ملے نہیں،

پھر بھی میں تمہیں آئینوں میں دیکھتی ہوں۔

ہم کبھی چھوئے نہیں،

پھر بھی تمہاری خاموشی،

میرے لمس جیسی لگتی ہے۔"

سمعاد نے وہ سطریں بار بار پڑھیں۔

اسے سمجھ نہیں آیا کہ کیا جواب دے۔

تو بس اس نے لکھا:

- "مجھے لگتا ہے ہم کسی ایسے دھاگے سے بندھے ہیں...

جسے ہم دونوں سمجھ نہیں سکتے۔

مگر وہ ہے۔

ہمیشہ سے ہے۔"

یہ وہ رشتہ تھا جسے منطق کی ضرورت نہ تھی۔

نہ حیثیت نے اسے چھوا،

نہ تصاویر نے،

نہ وعدوں نے۔

یہ ایک ان دیکھے دھاگے سے جُڑا تھا —

جو ایک دل کو، دوسرے دل سے خاموشی میں جوڑتا تھا،

شہروں کے پار۔

اور ابھی تک،

کسی نے اسے کوئی نام دینے کی کوشش نہیں کی۔

نہ محبت۔

ابھی نہیں۔

مگر کچھ… اتنا ہی مقدس۔

⭐⭐⭐⭐⭐

دھڑکنوں کے بیچ

ہر خواب میں تو نظر آیا،

ہر جاگتی پل میں صرف خلا۔

محبت کے حقیقت بننے سے ذرا پہلے…

ایک لمحہ ہوتا ہے —

جب وہ دو دھڑکنوں کے درمیان سانس لیتی ہے،

بہت نازک کہ تھامی نہ جائے،

بہت بلند کہ نظرانداز نہ کی جائے۔

سمعیہ نہیں جانتی تھی کہ فون کے ہر بیپ پر دل کیوں تھم جاتا تھا۔

اب یہ صرف جوش نہیں رہا تھا۔

یہ خوف تھا۔

یہ امید تھی۔

ایسی امید، جو سینے میں کسی نازک راز کی طرح چھپی رہتی ہے —

ایسی جسے اونچی آواز میں کہا نہیں جا سکتا،

کہ کہیں کائنات سن لے... اور چھین نہ لے۔

وہ محبت میں نہیں تھے —

کم از کم رسمی طور پر نہیں۔

نہ لفظوں میں۔

نہ اُن طریقوں سے جیسے دنیا مطالبہ کرتی ہے۔

مگر کچھ نشانیاں تھیں۔

وہ جانتی تھی —

جب سمعاد نے ایسے وائس نوٹس بھیجنے شروع کیے

جن میں کچھ خاص نہ ہوتا —

صرف بارش کی آواز، یا کوئی پرانی غزل کی دھیمی سرگوشی۔

کبھی وہ صرف ایک جملہ بولتا... اور چند سیکنڈ بعد مٹا دیتا۔

ایک بار، وہ پڑھنے میں کامیاب ہو گئی:

- "مجھے تمہارے بارے میں اتنا سوچنا نہیں چاہیے،

مگر پھر بھی سوچتا ہوں..."

پھر — پیغام حذف کر دیا گیا۔

اس کی انگلیاں فون پر رکی رہیں، دل تیز دھڑکا،
اور ہونٹوں پر ایک مدھم سی مسکراہٹ ابھری۔

سمعاد نے اس جملے کو مٹاتے ہی افسوس کیا۔

مگر وہ ابھی تیار نہیں تھا۔
نہ کہنے کے لیے۔
نہ نام دینے کے لیے۔

تو اس نے بس یہ لکھا:

- "کبھی ایسا لگتا ہے کہ پیغامات کے بیچ کی خاموشی…
لفظوں سے زیادہ کچھ کہہ جاتی ہے؟"

سمعیہ نے دو گھنٹے بعد جواب دیا:

- "ہاں۔
وہیں تو دل کی دھڑکن چھپی ہوتی ہے۔"

اس رات، دونوں جلدی نہیں سوئے۔

سمعاد اُس کی آن لائن اسٹیٹس کو آتے جاتے دیکھتا رہا۔
سمعیہ نے تین پیغامات لکھے، پھر مٹا دیے۔

انہوں نے شب بخیر نہیں کہا۔

ضرورت ہی نہ تھی۔

ان کے درمیان خاموشی پہلے ہی بول چکی تھی۔

وہ کہہ چکی تھی:

"میں تمہیں محسوس کرتی ہوں۔
جب تم کچھ نہ کہو… تب سب سے زیادہ۔"

سمعاد اب ہر چیز میں اُس کو پہچاننے لگا تھا۔

اُس کے آڈیوز کو محفوظ کرنا۔
اُس کی ہنسی جو بے وقت ذہن میں گونجتی۔
اُس کے انسٹاگرام اسٹوریز کا بےچینی سے انتظار کرنا —
جیسے کوئی طلوع آفتاب کا منتظر ہو۔

اور سمعیہ —
وہ سحری کے وقت لاشعوری طور پر فون کی طرف ہاتھ بڑھاتی۔
قرآن کی نوٹ بک کے کناروں پر نظمیں لکھتی۔
اور سمعاد کے نام کو اُن تشبیہوں میں پاتی،
جو اُس کے لیے نہیں ہوتیں…
لیکن پھر بھی اُسی کی لگتیں۔

ان کی محبت آتش بازی میں نہیں پیدا ہوئی تھی۔

یہ وقفوں میں پیدا ہوئی تھی۔
ذمہ داریوں کے بیچ چرا لیے گئے لمحوں میں۔
مشترکہ خاموشیوں میں۔

اور اُس گرمی میں —

جو دھڑکنوں کے بیچ کھلنے لگی تھی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

ٹوٹا آئینہ

وہ لمحے جو تیرے ساتھ بیتے،

اب صدیوں جیسے لگتے ہیں۔

کبھی کبھی، تکلیف خود ٹوٹنے سے نہیں ہوتی —

بلکہ اُس گونج سے جو بعد میں آتی ہے۔

وہ خاموشی…

جو گرنے کے بعد رہ جاتی ہے۔

جو اُس کے بیچ آتی ہے —

جو کبھی تھا، اور جو اب نہیں ہو سکتا۔

سمعیہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی،

اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے،

جب نیچے سے ماں کی آواز آئی:

- **"سمعیہ، مہمان آ گئے ہیں! بیٹا جلدی آؤ!"**

اس نے گہرا سانس لیا۔

مصنوعی مسکراہٹ۔

آئینے میں خود کو دیکھا اور ہلکی سی رضامندی میں گردن ہلائی۔

نیچے، ڈرائنگ روم اجنبی چہروں سے بھرا ہوا تھا —
رشتے دار، فیملی فرینڈز، بھاری کپڑوں میں لپٹی عورتیں،
اور مرد… جو ذرا زیادہ دیر تک گھور لیتے تھے۔
اس کی ماں چائے کی ٹرالی کے ارد گرد گھوم رہی تھی،
بسکٹس اور جھوٹی خوش اخلاقی بانٹتی ہوئی۔

یہ ایک اور رشتہ تھا۔

ایک اور ایسا رشتہ،
جس کے لیے اُس نے ہاں نہیں کی تھی —
مگر انکار بھی نہیں کر سکی۔

وہ اپنی ماں کے ساتھ خاموش اور باادب بیٹھی تھی۔
اس کے جوابات نرمی سے دہرائے ہوئے:

- "مجھے پڑھنا پسند ہے۔"
"میں ماسٹرز کر رہی ہوں۔"
"جی، لاہور اب گھر جیسا لگتا ہے۔"
مگر اُس کا دل وہاں نہیں تھا۔

وہ اس پیغام میں اٹکا ہوا تھا جو سمعاد نے صبح بھیجا تھا:

- "میں نے تمہیں خواب میں دیکھا تھا۔
مگر تم مسکرا نہیں رہی تھیں۔
ایسا لگ رہا تھا جیسے تم ٹھیک ہونے کا دکھاوا کر رہی ہو۔"

اور وہ ٹھیک ہی تو کہہ رہا تھا۔

سمعیہ اُس لڑکے کی طرف دیکھ بھی نہیں سکتی تھی
جو اب اُس کے سامنے بیٹھا تھا —
جسے اس کے والدین چپ چاپ اُمید بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے —
بغیر اندر ہی اندر بیمار ہوئے۔

وہ لڑکا اچھا تھا۔
اچھی نوکری، مناسب حلیہ، شائستہ گفتگو۔

مگر وہ سمعاد نہیں تھا۔

اس نے سمعیہ کی تنہائیاں نہیں سنی تھیں۔
نہ اُس کی اُس ہنسی کو پہچانا تھا جو لرزتے لفظوں میں چھپی ہوتی تھی۔
نہ اُس کی غزلوں کے اشعار کے بیچ سانس لینے کا انداز یاد رکھا تھا۔

سمعیہ کے اندر کا آئینہ تھوڑا اور ٹوٹا،
جب اُس لڑکے کی ماں نے پوچھا:

- "بیٹا تمہیں کھانا بنانا آتا ہے؟
میرے بیٹے کو دال چاول پسند ہے، کوئی زیادہ خاص نہیں۔"

سمعیہ نے مسکرا کر کہا:

- "جی، آتا ہے۔"

اسے نہیں آتا تھا۔
اور اُسے پرواہ بھی نہیں تھی۔

وہ بس...

یہاں سے نکل جانا چاہتی تھی۔

اُس رات،

اس نے سمعاد کے کسی بھی پیغام کا جواب نہیں دیا۔

نہ وائس نوٹ،

نہ وہ میم جس میں نیند سے بھرا ایموجی تھا،

نہ وہ نرمی سے بھیجا گیا فکر مند سوال:

- "تم ٹھیک ہو؟"

وہ ٹھیک نہیں تھی۔

وہ جائے نماز پر بیٹھی،

خاموشی سے روتی رہی۔

کوشش کی کہ ماں دیوار کے اُس پار کچھ نہ سن سکے۔

فون اُس کے پاس پڑا روشن ہوتا رہا…

مگر اُس نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

اس نے ایک بار پھر آئینے میں خود کو دیکھا۔

وہ لڑکی —

جو اپنے اشعار پر مسکرا لیتی تھی،

جو استنبول اور پرانی کتابوں کی دکانوں کے خواب دیکھا کرتی تھی —

اب پہچانی نہیں جاتی تھی۔

وہ…

کھو رہی تھی۔

ایک دراڑ…

ایک لمحہ…

ایک جھوٹ…

ایک خاموشی…

کے ساتھ

رفتہ رفتہ۔

⭐⭐⭐⭐⭐

تعارف خاندان

میرے دل کی زمین بنجر تھی،

تو آیا، اور وہ گلزار بن گئی۔

کیسی ہے یہ دوری کیسی مجبوری

میں نے نظروں سے تجھے چھو لیا

ہو ہوہو کبھی تیری خوشبو

کبھی تیری باتیں

بن مانگیں یہ جہاں پا لیا

کچھ نام ہمیں وراثت میں ملتے ہیں۔

کچھ ہم خود چنتے ہیں۔

اور کچھ نام —

محبت سے ہم پر کندہ ہوتے ہیں،

اور خون کے رشتے انہیں توڑ دیتے ہیں۔

اس رات کا کھانا خاموشی سے بھرا ہوا تھا۔

ایسی خاموشی جو گونجتی نہیں —

بس لوگوں کے بیچ ایک پتھر کی طرح پڑی رہتی ہے،

جسے کوئی ہٹانا نہیں چاہتا۔

سمعیہ نے کھانے کو چمچ سے ہلایا۔

اُس کی ماں اسے غور سے دیکھ رہی تھی۔

- "آج تم نے کچھ بولا نہیں،" ماں نے آخرکار کہا۔

"لڑکے والے اچھے لگ رہے تھے۔"

سمعیہ نے سر ہلایا،

زبردستی۔

- "ٹھیک ہی تھے۔"

- "وہ اسلام آباد میں کام کرتا ہے۔ اچھی پوزیشن ہے۔

انہیں تم پسند آئیں۔

شاید جلدی باقاعدہ رشتہ بھیج دیں۔"

اس کے ہاتھ میں پکڑا چمچ کانپنے لگا۔

اسلام آباد۔

سمعاد۔

اس کے والد نے کھنکار کر گلا صاف کیا:

- "سمعیہ، تم اب بچی نہیں ہو۔

ہم نے تمہیں وقت دیا۔

تم نے تعلیم مکمل کر لی۔

مگر اب ہمیں تمہارے مستقبل کے بارے میں سوچنا ہوگا۔"

سمعیہ نے آہستہ سے نظر اٹھائی،

آواز بمشکل سرگوشی سے بلند:

- "اگر میں اپنا مستقبل خود چُننا چاہوں تو؟"

خاموشی۔

والد کی نظریں سخت ہو گئیں۔

ماں کے چہرے پر مایوسی سی کھنچ گئی۔

- "تمہیں لگتا ہے ہمیں کچھ پتا نہیں چلتا؟"

والد بولے۔

"تم ہم سے دور ہو گئی ہو۔

فون ہمیشہ ہاتھ میں رہتا ہے۔

ہم اندھے نہیں ہیں۔"

اس کا دل تیز دھڑکنے لگا۔

گھبراہٹ،

آنکھوں کے پیچھے جلتا ہوا سا درد۔

- "وہ صرف دوست ہے،"

اس نے جلدی سے کہا۔

بہت آہستگی سے۔

- "لڑکا کبھی صرف دوست نہیں ہوتا، سمعیہ۔
تم ہماری بیٹی ہو۔
ہمیں اس معاشرے میں عزت کے ساتھ جینا ہے۔"

پھر وہ لفظ —
"نام"۔

وہی نام،
جو وہ اپنے کندھوں پر بوجھ کی طرح اٹھائے پھرتی تھی۔

وہ اسے نہیں جانتے تھے۔
نہ یہ کہ وہ کیسے سنتا تھا،
یا کیسے اُسے محسوس کراتا تھا کہ وہ دیکھی جا رہی ہے۔

- "وہ ویسا نہیں ہے،"
اس نے سرگوشی کی۔

- "تم نے ہمیں شرمندہ کیا ہے،"
والد نے کہا اور کھڑے ہو گئے۔
"ہم نے تم پر بھروسہ کیا تھا۔"

آنسو اُس کی آنکھوں سے بہہ نکلے۔
وہ اُٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بھاگی،
دل کی دھڑکن بے قابو،
وجود لرزتا ہوا۔

کمرے کے اندر جا کر،

اس نے دروازہ بند کر لیا۔

فون بجا —

سمعاد۔

- "بس تمہارے بارے میں سوچ رہا تھا۔

امید ہے تم ٹھیک ہو۔"

وہ سکرین کو دیکھتی رہی۔

آنسو اُس جگمگاتے پیغام پر ٹپکتے رہے۔

پھر اُس کی انگلیاں چلنے لگیں —

جھجکتی، کانپتی۔

- "انہیں سب پتا چل گیا ہے۔"

تھوڑی دیر رک کر:

- "لگتا ہے وہ اب زبردستی رشتہ کروائیں گے۔"

- "مجھے نہیں معلوم کیا کروں۔"

کچھ دیر تک جواب نہیں آیا۔

پھر:

- "فکر نہ کرو۔

میں ہوں۔

میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔"

وہ اپنا چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رو پڑی۔

کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ "میں ہوں" کتنی دیر تک ہوگا۔

جب خاندان کی محبت شرطوں سے بندھی ہو —

اور جب اس کا "نام"

ان کے لیے ایک کرنسی بن جائے۔

اور جس سے وہ محبت کرتی تھی...

وہ اُس کہانی کا حصہ نہیں تھا

جو اُس کے لیے لکھی جا رہی تھی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

پہلی جدائی

آنکھوں میں چھپا کے رکھا ہے تجھے،

کہ خواب بھی شرما جائیں۔

کچھ جدائیاں شور سے ہوتی ہیں۔

کچھ ڈرامائی ہوتی ہیں۔

مگر جو اندر سے توڑ دیتی ہیں —

وہ اکثر خاموشی میں ہوتی ہیں۔

سمعیہ اُس رات سو نہ سکی۔

بستر کے کنارے بیٹھی،

فون کو مٹھی میں جکڑے،

جس کی اسکرین بار بار مدھم ہوتی، پھر روشن —

سمعاد کے ان ریڈ پیغامات کے ساتھ۔

گھر والے سو چکے تھے۔

پورا گھر خاموش تھا۔

مگر اُس کے اندر —

ایک شور برپا تھا۔

- "میں تمہیں کھونا نہیں چاہتا،"

سمعاد نے پہلے ٹائپ کیا تھا۔

"مجھے بتاؤ کیا کرنا ہے۔

میں اُن سے بات کروں گا۔

میں انتظار کروں گا۔

بس...

غائب مت ہونا۔"

سمعیہ کی انگلیاں کی بورڈ پر معلق رہیں۔

اس نے کئی جواب ٹائپ کیے —

چھ، سات، آٹھ۔

پھر سب مٹا دیے۔

پھر، اس نے وائس ریکارڈر کھولا۔

سانس تھر تھر کانپ رہی تھی۔

- "سمعاد..."

"مجھے نہیں معلوم یہ کیسے کہوں...

مگر شاید یہ الوداع ہے۔

نہ اس لیے کہ میں چاہتی ہوں،

بلکہ اس لیے کہ میں مزید لڑوں گی تو شاید بچ نہ سکوں۔

انہوں نے صاف کہہ دیا ہے —

مجھے اُنہیں چننا ہوگا…

یا کھونا ہوگا۔"

وہ رُکی۔

آنسو بے رکاوٹ بہہ رہے تھے۔

- "اور مجھے نہیں معلوم

کہ میں اپنے اُن لوگوں کو کیسے کھو دوں

جن میں پیدا ہوئی ہوں…

چاہے اس کا مطلب ہو

اُسے کھونا

جس سے شاید مجھے محبت کرنی تھی۔"

ایک خاموشی۔

- "اگر یہ اختتام ہے…

تو صرف اتنا یاد رکھنا —

میں نے کبھی پرواہ کرنا نہیں چھوڑا۔

میں آج بھی تمہاری آواز سُن کر سوتی ہوں۔

تمہارے بےکار لطیفوں پر آج بھی مسکرا لیتی ہوں۔

اور ہم دونوں کو آج بھی تصور میں دیکھتی ہوں —

کبھی…

کسی دن۔

مگر ابھی کے لیے…

مجھے جانا ہوگا۔"

اس نے ریکارڈنگ ختم کی۔

مگر بھیجی نہیں۔

صرف ایک سادہ پیغام ٹائپ کیا:

- "اپنا خیال رکھنا۔

مجھے تمہاری کمی محسوس ہو گی۔"

پھر اُس کا نمبر بلاک کر دیا۔

اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا

جب اس نے فون بند کیا۔

ایسا لگا —

جیسے اپنے دل کا ہی ایک حصہ کاٹ کر الگ کر دیا ہو۔

اسلام آباد میں،

سمعاد نے "Message Not Delivered"

کا نوٹیفکیشن دیکھا۔

پھر پروفائل —

نہ کوئی تصویر،

نہ کوئی اسٹیٹس،

نہ کوئی وجود۔

اس نے کال کی۔

ایک بار۔

دو بار۔

لائن بند ہو گئی۔

خاموشی ناقابلِ برداشت تھی۔

وہ جانتا تھا۔

وہ جا چکی تھی۔

مگر محبت،
بلاک کرنے سے مر نہیں جاتی۔

وہ باقی رہتی ہے —
گونج میں،
خوابوں میں،
اُدھورے جملوں میں۔

اس رات،
وہ بستر پر لیٹا،
اس کا آخری وائس نوٹ سُن رہا تھا —
جو اُس نے دو ہفتے پہلے بھیجا تھا
جب وہ بےوجہ ہنس پڑی تھی
اور کہا تھا:

➢ "آج چاند…
مجھ سے زیادہ تنہا لگ رہا ہے۔"

اور اب —
چاند
بالکل اُس جیسا لگ رہا تھا۔

⭐⭐⭐⭐⭐

توقعات کا بوجھ

اب خود سے بھی چھپ کے جیتے ہیں،

تیرے بعد ہر لمحہ ادھورا ہے۔

جُدائی کے بعد آنے والے دنوں میں، سمعیہ یوں زندگی گزارتی رہی جیسے اپنے ہی جسم میں ایک بھٹکتی روح ہو۔

ناشتے کی میز پر بیٹھتی،

جب کوئی بات کرتا تو سر ہلا دیتی،

سرد ہو چکی چائے کے گھونٹ لیتی۔

اس کی ماں ایک رشتہ کی تعریف کر رہی تھی—

فیصل آباد کے ایک باوقار اور امیر گھرانے کا لڑکا۔

اس کے والد خوش نظر آ رہے تھے،

بغیر اس کی آنکھوں کے پیچھے چھپے طوفان کو دیکھے۔

سمعیہ وہاں ہنستی تھی،

جہاں ہنسنے کی امید کی جاتی۔

وہ مسکراتی تھی

جہاں مسکراہٹ درکار ہوتی۔

مگر اندر سے…

وہ بکھر رہی تھی۔

ہر توقع،

ہر حکم،

ایک نیا پتھر بن کر

اس کے دل میں جا گرتا:

فرماں بردار بنو۔

شائستہ بنو۔

شکر گزار بنو۔

خاموش رہو۔

اور یوں،

محبت—

وزن بن گئی۔

ایسا بوجھ،

جو اسے چھپا کر اٹھانا پڑ رہا تھا۔

رات کو،

وہ چھت کو گھورتی رہتی،

فون بند کر کے دراز میں رکھ دیتی۔

اس کی انگلیاں اکثر حرکت کرتیں،

جیسے سماد کو ٹیکسٹ لکھنے کی عادت اب بھی باقی ہو۔

مگر...

اب سماد نہیں تھا۔

بس ایک یاد—

جسے اس نے ایسے سمیٹ کر رکھ دیا تھا

جیسے پرانا، پسندیدہ کرتا

جو اب کسی دن پہننے کے قابل نہیں رہا۔

اس کی بہترین دوست، زارا،

یہ تبدیلی فوراً محسوس کر گئی۔

- "تمہارے چہرے کی چمک ختم ہو گئی ہے،"

ایک شام زارا نے کہا،

جب وہ دونوں بستر پر بیٹھی تھیں،

زارا کا شاعری کا جرنل کھلا ہوا۔

- "میں بس تھکی ہوئی ہوں،"

سمعیہ نے سرگوشی میں کہا۔

- "نہیں،"

زارا نے کہا۔

"تم تھکی نہیں ہو۔

تم سوگ منا رہی ہو۔"

سمعیہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

زارا نے صفحہ پلٹا اور لکھا:

- اُس نے خاموشی چُنی،

کیونکہ آگ سے بچنا چاہتی تھی۔

لیکن یوں خاموش رہ کر

اپنے دل کو خود جلا بیٹھی۔

یہ دیکھ کر...

سمعیہ ٹوٹ گئی۔

وہ روئی—

اونچی آواز میں نہیں،

بلکہ آہستہ،

دبے،

دم گھٹتے آنسو۔

وہ آنسو

جو آنکھوں کے پیچھے نشان چھوڑ جاتے ہیں۔

زارا نے اُسے اپنی بانہوں میں لیا—

بہن کی طرح۔

نہ سوال کیے،

نہ مشورے دیے۔

بس ساتھ بیٹھی رہی۔

کبھی کبھی،

غم کو صرف ایک گواہ درکار ہوتا ہے۔

اگلے دن دوپہر کے کھانے پر،

سمعیہ کی ماں نے اُس کے سامنے

ایک دلہنوں کے لباس کا کیٹلاگ رکھا۔

- "یہ Maria B کے ڈریسز ہیں۔

لڑکے والوں نے کہا ہے

وہ سب اخراجات خود کریں گے—

یہاں تک کہ سونے کے کنگن بھی۔"

سمعیہ نے سرخ، چمکدار اور بھاری لباسوں کی تصویریں دیکھیں—

اور یوں لگا،

جیسے زنجیریں دیکھ رہی ہو۔

اس نے کیٹلاگ بند کیا،

نرمی سے کہا:

- "امی...

میں ابھی تیار نہیں ہوں۔"

ماں کا چہرہ سخت ہو گیا۔

- "تم اب بچی نہیں ہو، سمعیہ۔"

اور یوں...

توقعات کا بوجھ

اور بھی گہرا ہو گیا۔

اسی رات،

سمعیہ نے اپنی ڈائری میں لکھا:

- کاش محبت کافی ہوتی۔

مگر محبت گھر نہیں چلاتی۔

محبت ماں کو فخر نہیں دیتی۔

محبت سونا نہیں پہنتی

اور مہمانوں کے لیے نہیں مسکراتی۔

تو شاید

محبت کو دفن کرنا ہی پڑتا ہے۔

شاید

جو لڑکی خاموشی میں کھلتی ہے

اُسے خاموشی میں مرنا بھی سیکھنا پڑے۔

اور کہیں دور،

اسی شہر میں،

سمعاد نے خواب میں اُس کا نام پکارا

اور آنکھ کھلی تو گلا آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔

وہ دور تھے،

مگر ان کے دل

اب بھی ایک ہی دھڑکن پر زخمی ہوتے تھے۔

⭐⭐⭐⭐⭐

زارا ایک سہارا

بچھڑ کے بھی دل سے نکلا نہیں،

تو کیا واقعی گیا تھا؟

زارا ہمیشہ وہ آئینہ رہی

جس سے سمعیہ کتراتی تھی—

صاف،

بےخوف،

اور سچ سے لبریز۔

ان ہفتوں میں،

جب سمعیہ خاموشی میں خود کو کھو رہی تھی،

زارا صرف دوست نہ رہی—

وہ ایک ڈھال بن گئی،

ایک پناہ،

ایک آواز

جو سمعیہ کو خاموشی میں دفن ہونے سے روکتی تھی۔

وہ اکثر آدھی رات کے بعد چھت پر ملتی تھیں،

جب نیچے سارا شہر سو رہا ہوتا۔

زارا چائے لاتی—

زیادہ میٹھی،

ویسی ہی جیسے سمعیہ کو پہلے پسند تھی،

اس سے پہلے کہ وہ ذائقے بھول چکی تھی۔

- "پتا ہے تمہارا مسئلہ کیا ہے؟"

زارا کہتی،

چائے کا کپ تھماتے ہوئے۔

- سمعیہ سر ہلاتی،

مدھم آواز میں کہتی،

"سب کچھ؟"

- "نہیں،"

زارا مسکرا کر کہتی،

"تم ایک جنگل کو ایک پنجرے میں سمیٹنے کی کوشش کر رہی ہو۔"

زارا نے کبھی سماد کے بارے میں سوال نہیں کیا۔

اسے مجبور نہیں کیا کہ وہ بولے۔

مگر وہ سب جانتی تھی—

سمعیہ محبت کا ذکر سن کر کیسے کانپتی،

اور جب شادی کی بات ہوتی،

کیسے سمیٹ جاتی۔

زارا نے اسے لفظ دیے۔

رسیدوں کے پچھلے حصے پر لکھی نظمیں،
کتابوں میں رکھے اقتباسات،
اور باتوں کے بیچ اچانک سنائے گئے اشعار،
جو کسی جادو کی طرح لگتے۔

ایک رات اُس نے بلند آواز سے پڑھا:

- کچھ عورتیں چیخ چیخ کر مرتی ہیں—
اور کچھ چپ چاپ،
مسکراہٹوں سے بھرے کمروں میں،
خاموشی میں دفن ہو جاتی ہیں۔
خود کو مرنے مت دینا
جب تک تم زندہ ہو۔

سمعیہ نے سنا،
گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹے۔
"مجھے لگتا ہے
میں پہلے ہی مر چکی ہوں۔"

- "نہیں،"
زارا نے کہا،
آواز میں شدت لیے،
"جب تک میں زندہ ہوں،
تم نہیں مرو گی۔"

زارا ہی وہ تھی
جس نے ایک دن بارش میں اسے چھپ کر باہر لے گئی۔

وہ لاہور کے پرانے بازار میں،
دو گلیوں کے بیچ چھپی ایک چھوٹی سی بُک کیفے میں بیٹھیں۔
دیواروں پر شاعری کی کتابیں،
پرانے خطوط،
اور دھندلی تصویریں سجی تھیں۔

- "تمہیں ہر وقت بہادر بننے کی ضرورت نہیں،"
زارا نے سرگوشی میں کہا،
کافی چمچ سے ہلاتے ہوئے۔
"لیکن تمہیں خود سے سچ بولنا پڑے گا۔"

سمعیہ نے آنکھیں بند کر لیں۔
بارش کی آواز کو
اپنی خاموشی میں جذب ہونے دیا۔

- "مجھے اُس کی یاد آتی ہے،"
آخرکار اُس نے کہا۔

زارا نے میز پر ہاتھ بڑھایا،
نرمی سے اُس کا ہاتھ تھاما۔

- "تو یاد کرو۔
تمہیں اجازت ہے۔
یہ کوئی تم سے چھین نہیں سکتا۔"

جب وہ واپس آئیں،

بھیگی ہوئی،

ہنستی ہوئی،

ایک لمحے کے لیے—

محض ایک لمحے کے لیے—

سمعیہ نے خود کو زندہ محسوس کیا۔

نہ مکمل،

نہ ٹھیک۔

مگر سانس لیتی ہوئی۔

اور ایک ایسی دنیا میں

جہاں اطاعت،

جذبے سے بڑھ کر ہو—

سانس لینا بھی بغاوت محسوس ہوتا ہے۔

اسی رات،

زارا نے اُسے ایک تہہ کیا ہوا کاغذ دیا۔

- "بعد میں کھولنا،"

اس نے کہا۔

جب سمعیہ نے اُسے اکیلے،

اپنے کمرے میں کھولا—

تو اندر زارا کے ہاتھ کی لکھی ایک نظم تھی:

- اگر تمہیں اپنے دل کو دفن کرنا پڑے،

تو اُسے بیج کی طرح دفن کرنا۔

تاکہ خاموشی میں بھی—

کچھ خوبصورت کھِل سکے۔

سمعیہ نے وہ پرچی سینے سے لگا لی،

اور تکیے میں منہ چھپا کر رو پڑی۔

اور اگرچہ رات اب بھی بھاری تھی—

مگر پہلی بار،

دل اتنا اکیلا محسوس نہ ہوا۔

⭐⭐⭐⭐⭐

خاموش بغاوت محبت

ہر تحریر میں ترا نام لکھا،

شاید الفاظ تجھ سے محبت کرتے ہیں۔

سمعیہ مطالعہ کی میز پر بیٹھی تھی،

سامنے آدھی کھلی ہوئی کتاب،

اور دل کے اندر ہزار ان کہے لفظ گونجتے جا رہے تھے۔

ہفتے بیت چکے تھے

سماد سے آخری بات کیے ہوئے۔

فون خاموش تھا—

کیونکہ وہ خود اُسے خاموش کر چکی تھی۔

دل بھرا ہوا تھا—

کیونکہ وہ اُسے خالی کرنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔

مگر اُس کی بغاوت شور میں نہیں تھی۔

نہ دروازے پٹخنے میں،

نہ چیخوں میں۔

وہ بغاوت آہستہ آہستہ پنپ رہی تھی—

جیسے:

وہ سماد کے وائس نوٹس کو ایک لاکڈ فولڈر میں محفوظ کرتی،

اُس کا نام ڈائری کے کناروں پر لکھتی،

اور پرانے پیغامات بار بار پڑھتی

تاکہ خود کو کم تنہا محسوس کر سکے۔

زارا نے یہ سب محسوس کیا۔

- "تم نے ابھی تک اُسے ڈیلیٹ نہیں کیا،"

ایک رات زارا نے کہا،

جب وہ بستر پر بیٹھی،

سمعیہ کو پڑھائی کا بہانہ کرتے دیکھ رہی تھی۔

- "میں نہیں کر سکتی،"

سمعیہ نے سرگوشی کی۔

- "تو مت کرو،"

زارا نے نرمی سے کہا،

"کبھی کبھی، بچ جانے کا مطلب ہوتا ہے—

اُس چیز کو تھامے رکھنا جسے چھوڑ دینا چاہیے۔"

سمعیہ نے زارا کی طرف دیکھا،

آنکھوں میں آنسو چھپاتے ہوئے۔

- "سب کہتے ہیں، آگے بڑھ جاؤ۔"

- "وہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ

انہیں ڈر ہے کہ اگر تم رکو گی تو ٹوٹ جاؤ گی۔"

- "اور تمہیں؟"

- "مجھے ڈر ہے کہ اگر تم نے چھوڑ دیا…

تو شاید تم خود ہی ختم ہو جاؤ گی۔"

سمعیہ نے ایسے خطوط لکھنے شروع کیے

جو کبھی بھیجے نہیں جانے تھے۔

راتوں کو،

چادر کے نیچے،

کندھے اور کان کے درمیان ٹارچ دبائے،

وہ صفحے بھرنے لگی—

ایسے سچوں سے

جنہیں وہ زبان سے ادا نہیں کر سکتی تھی۔

- پیارے سماد،

معذرت کہ بغیر وضاحت کے چلی گئی۔

میں سمجھی کہ تمہیں بچا رہی ہوں...

یا شاید خود کو۔

مگر دراصل میں نے وہ زخم کھول دیا

جو کبھی بھرنے کا موقع ہی نہیں پا سکا۔

- تم خاموشی سے زیادہ کے حقدار تھے۔

ہمیشہ سے۔

- میں آج بھی وہی دوپٹہ پہنتی ہوں

جسے دیکھ کر تم نے کہا تھا

"سورج ڈھلتا ہوا لگتا ہے۔"

جب دل کی چیخیں بہت بلند ہو جائیں،

وہ دوپٹہ کچھ لمحوں کے لیے انہیں خاموش کر دیتا ہے۔

وہ ہر خط کو تہہ کر کے

اپنے پلنگ کے نیچے لکڑی کے ڈبے میں رکھتی—

جہاں پرانی تسبیحیں

اور سماد کی بھیجی ہوئی ایک پرانی بک مارک رکھی تھی۔

ایک شام،

جب گھر میں شادی کی تیاریاں

طوفان کی طرح پھیل رہی تھیں،

سمعیہ چھپ کر چھت پر جا پہنچی۔

ہر طرف سے اذان کی صدائیں گونج رہی تھیں،

جو شام کو تقدس سے بھر رہی تھیں۔

اس نے فون ہاتھ میں لیا۔

انگوٹھا اُس نام پر جا رُکا—

“My Silence”

مگر اُس نے دبایا نہیں۔

کال نہیں کی۔

بس ہوا سے کہہ دیا:

- "میں آج بھی تم سے محبت کرتی ہوں۔"

یہ آواز بلند نہ تھی۔

کسی نے سنی نہیں۔

مگر وہ موجود تھی۔

اور کبھی کبھی،

اتنا ہونا کافی ہوتا ہے۔

اس کی بغاوت چھوٹے لمحوں میں تھی—

ایسے لمحے جنہیں دنیا دیکھ نہیں سکتی:

اس نے اپنے کان کے پیچھے چنبیلی کا پھول لگایا،

کیونکہ وہ کہتا تھا اسے جچتا ہے۔

وہ نظم آہستہ سے پڑھتی،

جس میں وہ کہتا تھا

اس کی آواز میں ہر لفظ بارش کی طرح لگتا ہے۔

وہ بار بار اُسے چُنتی—

خاموشی سے—

ایک ایسی دنیا میں

جہاں اُس کے چُننے کی ممانعت تھی۔

ایک رات،

زارا کو سمعیہ کی میز پر

آدھ لکھا ہوا خط ملا۔

اس نے آہستہ آہستہ پڑھا،

ہر سطر کے ساتھ آنکھیں نرم پڑتی گئیں۔

- "ابھی بھی نہیں بھیجنا چاہتیں؟"

سمعیہ نے سر ہلایا،

مدھم آواز میں کہا:

- "مجھے نہیں لگتا

وہ مزید بھوتوں کا بوجھ سہار سکتا ہے۔"

زارا نے خط کو نرمی سے تہہ کیا،

ڈبے میں واپس رکھا۔

- "تو کم از کم

خود بھوت مت بنو۔"

باہر کی دنیا

ایک ایسے مستقبل کی تیاریوں میں مگن تھی

جس سے سمعیہ کا کوئی تعلق نہ تھا۔

مگر اس کے اندر،

ایک خاموش بغاوت جنم لے رہی تھی—

ایسی بغاوت

جو شور سے نہیں،

یاد سے بنی تھی۔

اختلاف سے نہیں،

محبت سے۔

اور اس کے دل کے خاموش گوشوں میں

وہ بغاوت...

چپ چاپ کھلنے لگی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

جلتے خطوط

تجھے سوچ کے سانس لیتا ہوں،

ورنہ زندگی بہت بوجھل ہے۔

سمعیہ کے پلنگ کے نیچے رکھا ڈبہ

ہر دن کے ساتھ بھاری ہوتا جا رہا تھا—

وزن میں نہیں،

یادوں میں۔

اس میں وہ سب اعترافات تھے

جو ایک ایسی لڑکی نے لکھے تھے

جس نے بدنامی سے بچنے کے لیے

خاموشی کو چُنا،

اور بغاوت کے بجائے

دل ٹوٹنے کو گلے لگایا۔

ہر خط،

سیاہی میں لپٹا ہوا زخم تھا۔

ہر جملہ،

ایسی سانس

جسے وہ کبھی لے ہی نہیں پائی۔

زارا اسے کہتی تھی:

- "ان کہے الوداعوں کا قبرستان۔"

ایک رات،

کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا اندر آ گھسی۔

دور کہیں بارش کی سرگوشی سنائی دے رہی تھی۔

آسمان پر بادل ایسے چھائے ہوئے تھے

جیسے وہ سمعیہ کا سارا دکھ اٹھائے ہوئے ہوں۔

سمعیہ فرش پر بیٹھی تھی،

ڈبہ کھلا ہوا،

درجنوں تہہ شدہ خطوط اُس کی گود میں بکھرے ہوئے۔

اس نے ایک خط اٹھایا

اور مدھم روشنی میں پڑھنا شروع کیا:

- سماد،

کیا تمہیں وہ رات یاد ہے

جب ہم فجر تک جاگتے رہے

اپنے ان خوفوں پر بات کرتے

جو کبھی کسی سے نہیں کہے؟

تم نے کہا تھا—

خاموشی تمہاری دشمن ہے۔

مگر لگتا ہے

وہ اب میری بھی دشمن بن چکی ہے۔

کیونکہ میں اُسی میں جی رہی ہوں۔

ڈوب رہی ہوں۔

اور تم یہاں نہیں ہو

مجھے بچانے کے لیے۔

اس نے خط کو تہہ کیا،

ہاتھ کانپ رہے تھے۔

- "میں یہ سب مزید نہیں سہہ سکتی،"

اس نے دھیرے سے کہا—

خود سے۔

زارا اندر آئی،

دو کپ چائے لیے ہوئے۔

صفحات دیکھے،

سمعیہ کا چہرہ دیکھا،

سب سمجھ گئی۔

- "انہیں جلا دو،"

زارا نے نرمی سے کہا،

چائے رکھتے ہوئے۔

"اگر یہ تمہیں ٹھیک کرنے کے بجائے

مزید تکلیف دے رہے ہیں،

تو چھوڑ دو۔"

سمعیہ نے دیر تک ان خطوط کو گھورا،

پھر آہستہ سے سر ہلایا۔

وہ دونوں چھت پر گئیں—

ایک مٹی کی کٹوری،

ماچس،

اور خاموشی ساتھ تھی۔

رات گہری تھی۔

شہر نیچے جاگ رہا تھا،

بےخبر اس دلشکنی سے

جو چھت پر دفن ہونے والی تھی۔

سمعیہ نے پہلا خط اٹھایا۔

انگلیاں کانپ رہی تھیں،

مگر ڈر سے نہیں—

آزادی کے وزن سے۔

اس نے کونے کو آگ لگا دی۔

شعلہ دہکنے لگا،

سنہری اور زندہ،

پھر آہستہ آہستہ خط کو کھا گیا۔

ایک ایک کر کے،

اس نے آگ کے سپرد کر دیے:

وہ خط جس میں اُس نے اعتراف کیا

کہ آج بھی وہ سماد کی آواز کے خواب دیکھتی ہے۔

وہ خط جس میں اُس نے بیان کیا

کہ اُس کا نام سن کر

کیسے دل ٹوٹتا ہے۔

آخری خط—

ادھورا—

جس میں وہ شاید

معافی مانگنے والی تھی۔

زارا خاموشی سے دیکھتی رہی،

آنکھوں میں نمی لیے۔

سمعیہ وہ سب لفظ جلا رہی تھی

جنہیں وہ کبھی بول نہ پائی—

امید تھی

کہ شاید ان کی راکھ سے

کوئی نیا سکون نکلے۔

جب آخری خط بھی راکھ بن گیا،

اس نے سرگوشی کی:

- "اس کا مطلب یہ نہیں

کہ میں نے اُس سے محبت کرنا چھوڑ دیا۔"

زارا نے جواب دیا:

- "اس کا مطلب ہے

تم نے اُس سے اتنی محبت کی

کہ اُسے آزاد کر دیا۔"

دھواں رات کی طرف بلند ہوا—

ایک دعا کی طرح،

جس کا کوئی پتہ نہ تھا۔

اندر آ کر،

سمعیہ نے خالی ڈبے کو دیکھا۔

وہ عجیب لگ رہا تھا—

کھوکھلا،

جیسے اس میں کبھی کچھ مقدس رکھا تھا

اور اب لے لیا گیا ہو۔

مگر اُسی خالی پن میں

اسے ایک جگہ ملی:

سانس لینے کی جگہ۔

سوگ منانے کی جگہ۔

شاید—

پھر سے جینے کی جگہ۔

اس رات،

ہفتوں بعد پہلی بار،

وہ اپنا فون سینے سے لگائے بغیر سو گئی۔

اور ہوا،

جو ہمیشہ بےچین رہتی تھی—

نرم ہو گئی۔

شاعرانہ تحریر:

- کچھ لفظ ایسے ہوتے ہیں

جو بولے ہی نہیں جانے چاہیے۔

کچھ غم ایسے ہوتے ہیں

جو بانٹے نہیں جا سکتے۔

مگر محبت—

زندہ رہنے کے لیے

آواز کی محتاج نہیں۔

کبھی کبھی

اسے بس ایک شعلہ درکار ہوتا ہے—

چھوڑ دینے کے لیے۔

⭐⭐⭐⭐⭐

زارا کی نظمیں

یادوں کے بستر پر سوئے ہیں ہم،
جہاں نیند بھی تیری خوشبو لاتی ہے۔

زارا ہمیشہ نظموں کو ویسے ہی لکھتی تھی
جیسے لوگ سانس لیتے ہیں—
فطری، ضروری، جیسے جینے کے لیے ہو۔

بیماری نے اُس کی مسکراہٹ کے کناروں کو مدھم کرنے سے بھی پہلے،
وہ ہر وقت ایک نوٹ بک اپنے دوپٹے کے نیچے چھپا کر رکھتی تھی،
جیسے کوئی مقدس راز۔

وہ خود کو شاعرہ نہیں کہتی تھی—
کہتی تھی:

- "میں بس ایک لڑکی ہوں
جو آہستہ آہستہ کاغذ پر خون بہاتی ہے۔"

مگر جس رات سمعیہ نے اپنے خطوط جلائے،
اُسی رات کے بعد
زارا نے دوبارہ لکھنا شروع کیا۔

نہ اپنے لیے۔
نہ دنیا کے لیے۔
بلکہ صرف... سمعیہ کے لیے۔

نظمیں خاموش جگہوں پر ملنے لگیں:

سمعیہ کی پسندیدہ کتاب کے اندر تہہ شدہ۔

آئینے کے پیچھے چپکائی ہوئی۔

کام پر جانے والے بیگ میں چپکے سے رکھ دی گئی۔

چائے کے کیتلی کے پاس ٹشو پیپر پر لکھی ہوئی۔

ہر نظم مختصر تھی۔

سادہ۔

مگر ایک اعتراف کی طرح بھاری۔

یہ نظموں نے پڑھنے کا مطالبہ نہیں کیا۔

بس انتظار کیا—

جیسے جانتی ہوں کہ غم کو دیکھنے کے لیے

اجازت چاہیے ہوتی ہے۔

ایک صبح،

سمعیہ نے اپنی الماری کے آئینے پر چپکی ہوئی نظم دیکھی۔

زارا کی مانوس، بہتی ہوئی تحریر میں:

- نظم اوّل — "اُس لڑکی کے لیے جو رکی رہی"

تم سمجھتی ہو تم ٹوٹ چکی ہو،

مگر تم ایک خاموش انقلاب ہو۔

تم نے خاموشی میں محبت کی،

اور وہ بھی ایک بہادری تھی۔

سمعیہ کی انگلیاں صفحے کے کنارے پر رک گئیں۔

گلا بند ہو گیا۔

وہ روئی نہیں۔

نہیں اُس لمحے۔

بس آنکھیں بند کیں

اور اُن الفاظ کو سانسوں میں اتارا—

جیسے وہ دوا ہوں

جس کا پتہ اُسے پہلے کبھی نہ تھا۔

پھر مزید نظمیں آنے لگیں۔

ہر ایک پہلے سے زیادہ ذاتی۔

- نظم دوم — "اگر وہ سن سکتا"

تمہیں اُسے واپس بلانے کی ضرورت نہیں،

یاد رہنے کے لیے۔

کچھ محبتیں

اُس وقت زیادہ گونجتی ہیں

جب کبھی بولی ہی نہ جائیں۔

- نظم سوئم — "جلے ہوئے خطوط"

راکھ انجام نہیں ہوتی۔

کبھی کبھی وہ بیج بن جاتی ہے۔

جو تم نے کھو دیا،

اُسے مٹّی بننے دو۔

تاکہ تمہارا نیا وجود کھل سکے۔

سمعیہ نے کبھی ان نظموں کا ذکر نہیں کیا۔

مگر کبھی انہیں پھینکا بھی نہیں۔

اس نے انہیں جمع کرنا شروع کیا—
اُسی ڈبے میں
جہاں پہلے سماد کے خطوط رکھے تھے۔

یہ طنز سے کم نہ تھا۔
جو ڈبہ کبھی درد کا گواہ تھا،
اب شفا کا ظرف بن چکا تھا۔

ایک رات،
زارا نے اُسے صوفے پر سویا پایا—
ایک نظم اُس کے ہاتھ میں نرمی سے دبی ہوئی تھی۔

زارا اُس کے قریب بیٹھ گئی،
اور آہستہ کہا:

- "بس یہی تو چاہا تھا تمہارے لیے، سَم... سکون۔"

اور اگرچہ سمعیہ جاگی نہیں—
مگر اُس کے لبوں پر
ہلکی سی مسکراہٹ تھی،
جیسے اُس نے سن لیا ہو۔

زارا کی آخری نظم:

- اگر میں کل یہاں نہ ہوں،

وعدہ کرو کہ تم آگے بڑھو گی۔

صرف اس لیے نہیں کہ میں نے کہا تھا—

بلکہ اس لیے

کہ تم دوبارہ دھوپ محسوس کرنے کی حقدار ہو۔

⭐⭐⭐⭐⭐

الوداع سے پہلے کی خاموشی

تُو ملا تو زندگی مکمل لگی،

پھر چلا گیا، اور میں ادھورا رہ گیا۔

اگلے دن جیسے وقت نے

ادھار لیا ہو۔

سماد رکا رہا۔

نہیں گیا۔

وہ سمعیہ کی نازک دنیا میں

نرمی سے چلتا۔

اُس کے ہاتھوں میں شفقت بھری ہوتی،

آنکھوں میں ہزار ان کہے الفاظ کا بوجھ۔

وہ اُس کے پاس بیٹھا رہتا

جب وہ نیند اور بیداری کے درمیان جھولتی۔

جب درد حد سے بڑھتا،

وہ اُس کا ہاتھ تھامتا۔

پرانے، چِھتے ہوئے کپ میں گرم یخنی لاتا،
جس پر وہ پہلے ہنستی تھی۔

اور جب وہ آنکھیں کھلی ہونے کے باوجود
کہیں دور لگتی،
وہ آہستہ سے اُس کا نام لیتا—
جیسے دعا:

- "سمعیہ..."

وہ مسکرا دیتی۔
کمزور سی۔
مگر کافی۔
یاد دلانے کے لیے
کہ وہ اب بھی یہاں ہے،
اب بھی لڑ رہی ہے۔

سحر کی خاموش گھڑیوں میں،
سماد اُس کے لیے ایسے خطوط لکھتا
جو وہ کبھی نہیں پڑھ پاتی۔

وہ اُنہیں تہہ کر کے
اُس کے پلنگ کے پاس والی دراز میں رکھ دیتا—
جہاں ایک پرانی کتابِ فیض رکھی تھی،
اور وہ کنگھی
جس میں اُس کے بال ابھی بھی الجھے تھے۔

ایک رات،

جب بارش کھڑکی پر دُھند بھرتی لکیریں بنا رہی تھی،

سمعیہ ہلکی سی جاگی۔

- "سماد؟"

اُس کی آواز بہت مدھم تھی،

جیسے ہوا کا حصہ۔

وہ فوراً اُس کے قریب آیا۔

- "میں یہاں ہوں،"

نرمی سے بولا۔

اُس نے اُسے دیکھا—

صرف اُس کو نہیں،

اُس کے اندر تک۔

- "میں کچھ کہے بغیر جانا نہیں چاہتی۔"

- "کیا کہنا ہے؟"

وہ سرگوشی کرتا ہے۔

- "کہ میں نے تم سے خاموشی میں محبت کی…

مگر وہ سب سے بلند جذبہ تھا

جو میں نے کبھی محسوس کیا۔"

سماد خود کو روک نہ سکا۔

آنسو بہنے لگے۔

وہ اُس کے ہاتھ کی پشت پر
اپنا ماتھا رکھ کر بیٹھ گیا۔

- "مجھے پتا ہے،"

وہ بولا۔
"ہمیشہ سے پتا تھا۔"

اُس لمحے کمرہ غم سے نہیں،
بلکہ تقدس سے بھر گیا۔

ایسا لگا جیسے
دو روحیں
ایک ہی سانس لینے لگی ہوں۔

اور پس منظر میں،
بارش مسلسل گرتی رہی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

وہ بارش جو کبھی نہ رکی

تو جو پاس ہوتا تو کچھ اور بات تھی،
اب تو خاموشی ہی ساتھی ہے۔

سمعیہ کی حالت
ہر دن کے ساتھ بگڑتی گئی۔

یہ زوال شور سے نہیں آیا۔
بلکہ سرگوشیوں کی طرح۔

اُس کے قدم آہستہ ہو گئے۔
آواز مدھم ہو گئی۔
مگر اُس کی آنکھیں—
اب بھی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں معنی تلاش کرتی تھیں:

بارش۔
کھڑکی پر بیٹھی چڑیاں۔
سماد کی وہ مسکراہٹ
جب وہ مضبوط بننے کی ناکام کوشش کرتا۔

وہ اب سمعیہ کے ساتھ ہی رہنے لگا تھا—
اُسی کے کہنے پر۔

صوفہ اُس کا بستر بن گیا تھا۔
باورچی خانہ، اُس کی پناہ گاہ۔

وہ اُس کے لیے کھانا بناتا۔
کتابیں پڑھ کر سناتا۔
اور جب رات طویل ہو جائے
تو اُسے سینے سے لگا کر سوتا۔

ایک سہ پہر،
جب سورج کی روشنی بادلوں سے لڑتی رہی،
سمعیہ نے اُس سے پوچھا:

- "کیا تمہیں یقین ہے
کہ اِس کے بعد بھی کچھ ہے؟"

وہ کتاب سے نظر اُٹھاتا ہے:

- "کس معنی میں؟"

سمعیہ ہلکی سی مسکرائی:

- "جیسے... کہیں اور دوبارہ کھِلنا؟"

سماد نے کتاب بند کی۔
اُس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لیا:

- "اگر دوبارہ کھِلنا
تمہارے ساتھ ہونے کا نام ہے—
تو ہاں۔ بار بار۔"

اُسی شام،
ڈاکٹر آیا۔

اُس کے الفاظ
برف جیسے ٹھنڈے لگے:

- "علاج اب کارآمد نہیں رہا۔"

فیصلے کرنے تھے۔

مگر وہ دونوں خاموش رہے۔

بس بارش کو دیکھتے رہے—

جو ایک اجنبی دوست بن چکی تھی۔

ہمیشہ ساتھ،

ہمیشہ گرتی۔

ایسا لگا جیسے

غم پہلے سے راستہ بنا رہا ہو۔

رات کو،

سماد اُس کی نیند میں نظمیں پڑھتا رہا:

- "تم مٹ نہیں رہیں،

تم اُس خاموشی میں گھل رہی ہو

جہاں میں بھی چلوں گا—

اگر ابھی نہیں،

تو ہر اُس خواب میں

جسے میں ساتھ لیے پھرتا ہوں۔"

وہ نہیں جانتا تھا—

کہ سمعیہ آہستہ آہستہ

کھو نہیں رہی تھی،

بلکہ ایک ایسی یاد میں سمٹ رہی تھی

جس میں

سرنڈر کے سوا کچھ نہ بچا تھا۔

اور باہر...

بارش گرتی رہی۔

نرم۔

لاامتناہی۔

شناسا۔

ایک لوری

اُن کی سب سے طویل رات کے لیے۔

⭐⭐⭐⭐⭐

وہ لباس جو کبھی نہ پہنا گیا

میں نے محبت کو لفظوں میں ڈھالا،

اور تو خاموشی میں ڈوب گیا۔

الماری جوں کی توں بند رہی۔

ایک کونے میں ہلکے جامنی رنگ کا لباس لٹکا تھا—

نرم ریشم، آستینوں پر نازک کڑھائی۔

سمعیہ نے یہ مہینوں پہلے خریدا تھا،

کہا تھا:

- "اُس دن کے لیے جو خاص ہوگا۔"

وہ دن کبھی نہ آیا۔

ایک خاموش صبح،

جب وہ ایک بار پھر لاؤنج کے صوفے پر سو گئی تھی،

سماد اُس لباس کو تکتا رہا۔

لباس ہلکے ہلکے جھوم رہا تھا—

جیسے کسی ایسی ہوا نے چھو لیا ہو جو وہاں تھی ہی نہیں۔

وہ آگے بڑھا۔

کپڑے پر انگلیاں پھیریں۔

ٹھنڈا تھا۔

ایسا ٹھنڈا،

جیسے خوشی کا احساس کب کا مر چکا ہو۔

اس نے الماری کا دروازہ آہستہ سے بند کر دیا—

جیسے ڈر ہو کہ کہیں یادیں باہر نہ نکل آئیں۔

اُسی دن،

سمعیہ اتنی بہتر تھی کہ کچھ دیر باہر بیٹھ سکی۔

سماد نے اُسے شال اوڑھائی

اور جھولے تک لے گیا۔

آسمان ابر آلود تھا—

مگر بارش نہیں ہو رہی تھی۔

اس بار،

خاموشی بوجھل نہیں تھی۔

وہ اُس کے کندھے پر سر رکھ کر بولی:

- "کیا تمہیں لگتا ہے ستارے ہمیں یاد رکھتے ہیں؟"

سماد مسکرایا:

- "اگر وہ بھول بھی جائیں،

تو میں ہر رات اُنہیں یاد دلاؤں گا۔"

اُس دوپہر میں کچھ الگ تھا—

ایسا نرمی کا لمس

جو شاید الوداع کی پیش گوئی کرتا ہو۔

سمعیہ نے کچھ نہ کہا،

کوئی شاعرانہ بات نہیں کی۔

بس اُسے دیکھا،

پھر آہستہ سے کہا:

- "میں وہ جامنی لباس تمہارے لیے پہننا چاہتی تھی۔

آخری بار۔"

- جوڑے جو تیرے خواب سے

تو ٹوٹے ہم نیند سے

یہ کیسا تیرا عشق ہے... ساجنا...

سامد کی آنکھوں میں نمی اترتی ہے،

اور دل میں صرف یہی سوال گونجتا ہے —

"یہ کیسا عشق ہے، جو سانسوں میں ہے، مگر تقدیر کی لکیروں سے باہر؟"

- تو ہاتھوں میں تو ہے میرے

ہے کیوں نہیں لکیروں میں

یہ کیسا تیرا عشق ہے... ساجنا...

سماد کی آواز گلے میں اٹک گئی۔

- "تم پھر بھی پہن لو گی،"

وہ بولا—

حالانکہ آواز سوکھے پتوں کی طرح ٹوٹ گئی۔

"رہنا تھا بن کے ہمدرد تیرا

ایسے جانا ہی تھا تو پھر تو کیوں ٹھہرا"

اس نے اُسے دیکھا—

شک سے نہیں،

بلکہ...

قبولیت سے۔

اُسی رات،

وہ اُسے کتابوں کے ڈھیر میں سوتا ہوا ملا۔

کھڑکی پر ایک موم بتی جل رہی تھی۔

سایے اُس کے تھکے ہوئے،

مگر پُرسکون چہرے پر رقص کر رہے تھے۔

اس نے اُسے جگایا نہیں۔

بس اُس کے قریب جھک کر اندھیرے میں سرگوشی کی:

- "اگر تم وہ لباس کبھی نہ بھی پہنو،

تو میں تمہیں ہر بار آنکھیں بند کر کے

اُسی میں دیکھوں گا۔"

اور جب اس نے اُس کی پیشانی کو چوما،

ایک آنسو اُس کے گال پر پھسل گیا—

مگر وہ کبھی جاگی نہیں۔

⭐⭐⭐⭐⭐

چیزیں جو وہ چھوڑ گئی

وقت بدلا، پر تیرا خیال نہ بدلا،

یادوں کا موسم سدا بہار رہا۔

جب سمعیہ دنیا سے رخصت ہوئی،

تو گھر غم سے نہیں گونجا—

بلکہ اُس سے۔

ہر کمرے کے کونے میں

اُس کی آواز یوں مہک رہی تھی

جیسے بہار کی پہلی چمیلی۔

الماری میں اُس کے چائے کے کپ

اُسی کے انتظار میں رکھے تھے

جو کبھی واپس نہیں آنا تھا۔

آئینے پر اُس کی لپ اسٹک کا آخری داغ

اب بھی ہلکا سا چمک رہا تھا—

اُسی ہنسی کی یاد میں

جو آخری بار سنائی دی تھی۔

سماد نے جلدی نہیں کی

اُس کی چیزیں سمیٹنے میں۔

وہ اُس کی یادوں کے درمیان

مہمان کی طرح رہا—

نرمی سے،

جیسے اُس کی خاموش بکھری دنیا میں

خلل نہ ہو۔

ایک صبح،

اُس نے اُس کی بیڈ سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی۔

نہ کوئی زیور تھا۔

نہ کوئی خط۔

بس ایک چھوٹا سا نوٹ—

چار بار تہہ کیا گیا۔

اوپر لکھا تھا:

- "سماد کے لیے — جب درد برداشت سے بڑھ جائے۔"

اُس کے ہاتھ کانپنے لگے۔

کافی دیر تک نوٹ کو دیکھا۔

پھر آہستہ سے کھولا۔

- میری محبت،

- اگر تم یہ پڑھ رہے ہو، تو میں جا چکی ہوں۔

مگر اس سے پہلے کہ غم تمہیں مکمل نگل لے،

میں چاہتی ہوں کہ تم... سانس لو۔

- کل صبح اٹھو۔

نیلے مگ میں چائے بناؤ—

وہی جس سے تمہیں چِڑ تھی۔

- پڑوسیوں کے شور مچاتے بچوں پر مسکراؤ—

اور یاد کرو کہ تم نے کہا تھا

تمہیں کبھی بچے نہیں چاہییں۔

- دوبارہ لکھو۔

میرے بارے میں۔

ہمارے بارے میں۔

اُن چیزوں کے بارے میں

جو خاموشی میں بھی زندہ ہیں۔

- اور محبت دوبارہ کرو—

میرے جیسے نہیں،

ایک نئے انداز میں۔

بہادری سے۔

ویسے جیسے تمہاری آنکھوں میں ہمیشہ چھپی ہوتی تھی۔

- میں تمہارا اختتام نہیں تھی، سماد۔
میں تمہاری شروعات تھی۔

- جو کچھ بھی میں تھی،
اُس سب کے ساتھ،

- سمعیہ

اس نے وہ خط بار بار پڑھا۔

حتیٰ کہ آنسو کاغذ پر سوکھ گئے۔

حتیٰ کہ خاموشی
دوبارہ نرم ہو گئی۔

اُسی شام،
اس نے اُس کی ڈائری اُٹھائی۔

صفحات ادھوری نظموں سے بھرے تھے۔
نامکمل خیالات۔
سیاہی میں جمی ہوئی ہنسی۔

اسے انہیں مکمل کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔

وہ مکمل تھیں—
کیونکہ وہ زندہ تھی۔
اور یہی کافی تھا۔

⭐⭐⭐⭐⭐

وہ تصویریں جو انتظار کرتی رہیں

خواب بھی تجھ سے روٹھ گئے ہیں،

اب نیند میں بھی تنہا ہوں۔

اُس صبح سورج کی روشنی

پردوں سے آہستہ آہستہ اندر آئی—

ایسے جیسے وہ پورے گھر کو جگانا نہ چاہتی ہو۔

سماد بستر کے کنارے بیٹھا تھا۔

سمعیہ کی جگہ خالی تھی—

تکیے اب بھی

اُس کے نہ ہونے کا ہلکا سا خم لیے ہوئے۔

اُس دن،

اس نے اسٹور کی الماری سے

ایک پرانا سوٹ کیس نکالا۔

اُسے سمعیہ کی تدفین کے بعد

کبھی نہیں کھولا گیا تھا۔

اندر:

صاف تہہ شدہ دوپٹے۔

کنگھی جس میں اب بھی اُس کے بال پھنسے تھے۔

چاندی کی پائل

جو وہ صرف گھر میں پہنتی تھی۔

مگر کپڑوں کے نیچے،

ایک پرانے شال کی آستین میں چھپا ہوا—

ایک لفافہ ملا۔

اوپر لکھا تھا:

- "اُس وقت کے لیے...

جب تم بھول جاؤ کہ ہم کیسے لگتے تھے۔"

لفافے میں ایک تصویر تھی۔

نہ کوئی شادی کی۔

نہ کوئی خوشی کا موقع۔

بس ایک سادہ لمحہ—

جو شاید کسی فون سے کھینچا گیا تھا۔

سمعیہ ننگے پاؤں،

چمچ ہاتھ میں تھامے،

ہنس رہی تھی۔

اور سماد اُس کے پیچھے کھڑا،

اُسے بانہوں میں لیے،

پیشانی اُس کی پیشانی سے ملی ہوئی۔

ایک بے ساختہ لمحہ۔

نہ کوئی پوز،

نہ ارادہ۔

بس—

ایک اصلی زندگی۔

وہ فرش پر بیٹھ گیا،

تصویر ہاتھوں میں لرزتی رہی۔

عجیب تھا—

کہ کسی کی مسکراہٹ

اتنی آسانی سے بھول جاتی ہے…

جب تک دوبارہ نہ دیکھو۔

اُس تصویر میں،

سمعیہ کی آنکھوں میں ستارے تھے۔

اور سماد—

ایسا زندہ دکھائی دیتا تھا

جیسا وہ اُس کے بعد کبھی محسوس نہ کر سکا۔

کمرے کی خاموشی ٹوٹی—

مگر شور سے نہیں،

یاد سے۔

اُسی شام،

اس نے وہ تصویر الماری پر رکھ دی۔

ایک موم بتی اور اُس کی پسندیدہ شاعری کی کتاب کے بیچ۔

دکھ ویسا نہیں جلا

جیسے وہ سمجھ رہا تھا۔

بلکہ—

وہ تصویر،

اُسے گرم محسوس ہوئی۔

کیونکہ اب،

جب خاموشی حد سے بڑھ جاتی،

جب سینہ یاد سے بوجھل ہو جاتا،

تو اُس کے پاس کچھ تھا

جس کو تھام سکے۔

ایک "ہمیشہ"—

قید ایک مکمل فریم میں۔

⭐⭐⭐⭐⭐

وہ بچی جس کا خواب تھا

خامشی سے پیار تھا تجھے،

اسی لیے تو کچھ کہے بغیر چلا گیا۔

صبح کی ہوا ہلکی اور مہربان تھی،

نیچے باغ سے چمبیلی کی خوشبو لیے ہوئے۔

سماد کھڑکی کے پاس کھڑا،

چائے کا کپ ہاتھ میں لیے

دنیا کو جاگتے دیکھ رہا تھا—

مگر اُس کا دل پہلے ہی ایک ایسے خواب میں ڈوبا ہوا تھا
جسے اُس نے برسوں سے زبان نہیں دی تھی۔

یہ ایک یاد تھی،
جو صرف تنہائی کی سب سے گہری راتوں میں آتی تھی:
سمعیہ کی آواز—
نرم، حیرت سے بھری ہوئی۔

- "اگر کبھی ہمیں بیٹی ہوئی،"
اُس نے سرگوشی کی تھی،
"تو میں اُس کا نام سمعیہ رکھوں گی۔
اپنے لیے نہیں،
بلکہ اُس لڑکی کے لیے
جو میں کبھی تھی...
جب دنیا اتنی شور والی نہیں تھی۔"

یہی یاد
اُس دن واپس آئی
جب سماد یتیم خانے گیا۔

یہ ایک لمحاتی فیصلہ تھا—
یا شاید تقدیر،
جو آہستہ سے اُسے اُس طرف لے گئی
جسے وہ کبھی اپنا حق نہیں سمجھتا تھا۔

درجنوں بچوں کے درمیان
اُس نے اُسے دیکھا۔
چار سال کی ایک بچی،
اداس آنکھیں جو اُس کے چہرے سے بڑی لگتی تھیں،

ایک نیلا کھلونا خرگوش ہاتھ میں تھا
جس کا ایک کان غائب تھا۔

جب وہ اُس کے پاس بیٹھا،
تو وہ کچھ نہ بولی۔
نہ ہی گھبرائی۔

بس اُسے دیکھا،
ایسے جیسے وہ اُس کے چہرے میں
کسی گمشدہ یقین کو ڈھونڈ رہی ہو۔

پھر آہستہ سے،
اُس نے اپنا ہاتھ بڑھایا—
نہ اُسے چھونے کے لیے،
بلکہ وہ کھلونا خرگوش اُسے دینے کے لیے۔

- "آپ اُداس لگتے ہیں،"

اُس نے کہا،
آواز سانس جتنی ہلکی تھی،
"آپ اسے لے لیں... تھوڑی دیر کے لیے۔"

تین ہفتے بعد،
اس نے اُسے گود لے لیا۔

نہ ہمدردی کے لیے،
نہ کسی پچھتاوے سے—
بلکہ کیونکہ جب اُس بچی نے
اپنا ننھا سا ہاتھ اُس کے ہاتھ میں رکھا،
تو اُسے محسوس ہوا

جیسے کوئی ٹوٹا ہوا فریم
با لآخر مکمل ہو گیا ہو۔

"ملے ہو تم ہم کو
بڑے نصیبوں سے
چرایا ہے میں نے
قسمت کی لکیروں سے
تیری محبت سے
سانسیں ملی ہیں
صدا رہنا دل میں
قریب ہو کے"

اس نے اُس کا نام رکھا: سمعیہ۔

جب یتیم خانے کی عورت نے پوچھا:

- "یہ نام کیوں؟"

وہ صرف مسکرایا اور کہا:

- "کیونکہ کسی نے ایک بار اُس کا خواب دیکھا تھا۔"

اُسی رات،
اس نے اُسے پہلی بار بستر پر لٹایا۔
وہ خرگوش کو سینے سے لگائے
چپ چاپ لیٹ گئی۔

جب وہ روشنی بند کرنے لگا،
تو اُس نے سرگوشی کی:

- “بابا؟”

“جی، جانِ من؟”

- “کیا آپ کو لگتا ہے
میری اصل ماما مجھ سے محبت کرتیں؟”

اُس نے آنکھوں میں آنے والی نمی چھپاتے ہوئے
اُس کے پاس بیٹھ کر
پیشانی پر بوسہ دیا:

- “وہ پہلے ہی کرتی ہیں،”
اُس نے کہا۔
“ہر دھڑکن میں،
ہر نظم میں…
اور اب… تم میں۔”

⭐⭐⭐⭐⭐

وہ گھر جو خاموشی میں گنگناتا تھا

تو جو ہنسا تھا، دنیا نکھر گئی تھی،
اب تیرے بغیر سب دھندلا لگتا ہے۔

گھر اب بھی ویسا ہی تھا۔

پنکھے کی ہلکی سی جھکاؤ والی آواز،

پرانے ناولوں اور گلابی لوبان کی خوشبو،

پردوں سے چھن کر آنے والی روشنی—

نرم، سنہری، اور جھجکتی ہوئی۔

ایسا لگتا تھا جیسے وقت نے سر جھکا لیا ہو

اور یہاں کسی چیز کو چُھونے سے انکار کر دیا ہو۔

سماد آہستہ سے اندر داخل ہوا،

چھوٹی سمعیہ کی انگلیاں اُس کے ہاتھ میں بندھی ہوئی تھیں۔

- "یہی وہ جگہ ہے جہاں وہ رہتی تھیں؟"

چھوٹی سمعیہ نے حیرت سے پوچھا۔

اس نے سر ہلایا:

- "یہی وہ جگہ ہے…

جہاں سب کچھ شروع ہوا تھا۔"

اور ختم بھی،

یہ وہ نہ کہہ سکا۔

دیواریں یادوں سے بھری ہوئی تھیں۔

پرانے فوٹو فریم،

کتابیں جن کی لائنوں پر اُس نے نشان لگائے تھے

جنہیں صرف وہی سمجھ سکتی تھی۔

ایک سوکھا ہوا چمبیلی کا پھول

ایک فریم کے کونے میں چھپا ہوا۔

چھوٹی سمعیہ آہستہ آہستہ آگے بڑھی،

قالین پر اُس کے ننھے قدموں کی چاپ

ایسی جگہ پر پڑی
جسے اُس نے کبھی نہیں دیکھا،
مگر جیسے اُس کی روح پہلے سے جانتی ہو۔

وہ ایک آئینے کے سامنے رکی—
وہی آئینہ
جہاں اصل سمعیہ دوپٹہ سنوارتی تھی،
جہاں وہ اکیلے میں شاعری پڑھتی تھی۔

- "بابا، کیا یہ وہی ہیں؟"

اس نے کنسول پر رکھے فریم کی طرف اشارہ کیا۔
ایک لڑکی—
آنکھوں میں ہنسی،
اور مسکراہٹ میں اداسی۔

سماد اُس کے پاس آیا،
اور برسوں بعد پہلی بار
اُس کا دل اُس تصویر کو دیکھ کر ٹوٹا نہیں—
بس… نرم ہو گیا۔

- "ہاں،"

اُس نے آہستہ سے کہا،
"یہ ماما سمعیہ ہیں۔"

اُس دن وہ پورے گھر میں گھومتے رہے—
دوبارہ دریافت کا ایک سفر۔
نہ صرف بچی کے لیے،
بلکہ اُس مرد کے لیے
جس نے بھوتوں کے ساتھ جینا سیکھ لیا تھا۔

باورچی خانے میں،
سماد نے پرانی ریسیپی والی ڈائری کھولی—
کنارے ادھورے نقشوں
اور ہاتھ سے لکھی ہدایات سے بھرے ہوئے۔

- "یاد رکھو سماد: الائچی زیادہ ڈالنا جرم ہے**!**"

وہ زور سے ہنسا—
برسوں بعد اُس کچن میں ہنسی گونجی۔

چھوٹی سمعیہ کرسی پر چڑھ کر اُس کے ساتھ چائے بنتی دیکھ رہی تھی:

- "کیا وہ ایسی ہی چائے بناتی تھیں؟"

"نہیں،" اُس نے کہا،
"اس سے بہتر۔"

وہ مسکرائی:

- "میں سیکھوں گی۔
بالکل اُن جیسی۔"

شام ہوتے ہوتے،
گھر کچھ زیادہ روشن لگنے لگا۔

نہ اس لیے کہ لائٹیں زیادہ تھیں—
بلکہ اس لیے کہ ہنسی واپس آ گئی تھی

ایک ایسی جگہ میں

جو ہنسی کو بھول چکی تھی۔

وہ دونوں فرش پر بیٹھے،

الگ الگ مگ میں چائے پیتے ہوئے۔

ایک ایسا سکون

جو صرف یاد سے لپٹا ہوتا ہے۔

➢ "کیا آپ کو لگتا ہے

وہ جانتی ہیں کہ ہم یہاں ہیں؟"

چھوٹی سمعیہ نے پوچھا،

آنکھیں چھت کی طرف۔

سماد نے اُس کی لٹ پیچھے کی،

اور کہا:

➢ "مجھے لگتا ہے

وہ کبھی گئی ہی نہیں تھیں۔"

اُسی رات،

جب وہ گھر سے نکلنے لگے،

سماد دروازے پر رکا۔

اس نے آنکھیں بند کیں

اور خاموشی میں سرگوشی کی:

- "ہم آج گھر واپس آ گئے، پیاری…
اور تمہاری خاموشی دوبارہ کھل گئی۔"

⭐⭐⭐⭐⭐

کھڑکی جس پر اس کا نام تھا

تجھے دیکھے بغیر بھی چاہا ہم نے،

یہ عشق کی کوئی اور ہی قِسم تھی۔

اگلی صبح،

اسلام آباد کا آسمان

نرمی سے بکھرا ہوا تھا—

مدھم گرے اور ہلکے گلابی رنگوں میں رنگا ہوا۔

ایسی صبح جو ہوا میں کہانیاں لے کر آتی ہے،

اور انسان اُن کھڑکیوں کے پاس رک جاتے ہیں

جن پر وہ عام دنوں میں نہیں رکتے۔

سماد بالکونی میں چائے کا کپ لیے کھڑا تھا،

جبکہ چھوٹی سمعیہ اپنی نوٹ بک میں کچھ بنا رہی تھی۔

گزشتہ دن کے پرانے گھر نے

دونوں کے اندر کچھ جگا دیا تھا—

دکھ نہیں،

بلکہ ایک ایسی یاد

جو اب زندگی کے قابل محسوس ہو رہی تھی۔

- "کیا بنا رہی ہو؟"

وہ نرمی سے بولا

اس نے صفحہ پلٹ کر اُس کی طرف کیا:

ایک کھڑکی۔

جس کے شیشے پر ایک نام لکھا تھا: سمعیہ

- "وہ وہیں تھی،"

اس نے کہا۔

"پرانے گھر میں۔

کسی نے اُس کھڑکی پر اُس کا نام لکھا تھا۔

شاید آپ نے نہیں دیکھا۔"

سماد کی سانس تھم گئی۔

اس نے واقعی نہیں دیکھا تھا۔

مگر اب جب اُس نے کہا،

تو اُسے یاد آیا

کہ کھڑکی کی شیشے پر روشنی عجیب سی چمک رہی تھی۔

جیسے کوئی سرگوشی،

جو سنی جانا چاہتی ہو۔

- "شاید اُس نے خود لکھا ہو،"

سمعیہ نے کہا۔

"تاکہ کوئی اُسے بھول نہ جائے۔"

سماد اُس کے پاس جھکا،

کندھے پر ہاتھ رکھا،

اور کہا:

- “کوئی اُسے کبھی نہیں بھولے گا۔”

اُسی دوپہر،

وہ دوبارہ اُس گھر گئے۔

اس بار،

ایک مقصد کے ساتھ۔

وہ سیدھا اُس کمرے میں گئے

جو سمعیہ نے کھینچا تھا۔

اور وہی کھڑکی—

جیسی اُس نے بتائی تھی:

نیچے بائیں کونے میں

شیشے پر ہلکی، مدھم سی لکیر:

"سمعیہ"

شاید کسی بوبی پن یا ٹوٹی انگوٹھی سے لکھا گیا نام۔

حروف نرم خم دار تھے—

جیسے بہت دھیان اور دکھ سے لکھے گئے ہوں۔

سماد نے اُس پر انگلی پھیری،

آنکھیں گرم ہو گئیں۔

- "اُسے یاد رہنا تھا—

غم سے نہیں،

خاموش موجودگی سے۔"

- "ہم یہاں کچھ چھوڑ سکتے ہیں؟"

چھوٹی سمعیہ نے پوچھا۔

سماد نے اثبات میں سر ہلایا۔

اس نے اپنی اسکیچ بک سے

ایک تہہ شدہ کاغذ نکالا،

جس پر اُس کے بھاری حروف میں لکھا تھا:

- "آپ اب بھی یہاں ہیں۔

میں بڑی ہو کر ہر دن آپ کو یاد رکھوں گی۔

شکریہ میرے بابا سے محبت کرنے کے لیے۔

اور شکریہ مجھ سے محبت کرنے کے لیے—

اُس وقت بھی، جب میں پیدا نہیں ہوئی تھی۔"

انہوں نے وہ نوٹ

کھڑکی کے کنارے پر رکھے پھولدان کے نیچے رکھ دیا۔

ایک راز،

جو صرف وہ گھر سمجھے گا۔

پھر،

دھوپ کھڑکی پر چمک رہی تھی،

اور انہوں نے نرمی سے

اُس کے نام پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔

باہر،

چمبیلی کی پتیاں ہوا میں تیرنے لگیں۔

وہ گھر اب بلند لگ رہا تھا—

نہ اس لیے کہ وہ بدلا تھا،

بلکہ اس لیے کہ وہ بدل گئے تھے۔

اور کہیں،

اُسی خاموش فضا میں،

خاموشی دوبارہ کھِل اٹھی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

اس کی کتابوں کا بوجھ

کاش تو جانتا کہ تیرے بعد،

وقت سے زیادہ یادیں تنگ کرتی ہیں۔

محفل میں تیری ہم نا رہے تو

غم تو نہیں ہے غم تو نہیں ہے

قصے ہماری نزدکیوں کہ کم تو نہیں ہیں

کم تو نہیں ہے

کتنی دفعہ صبح کو میری

تیرے آنگن میں بیٹھے بیٹھے شام کیا

چنا میرے آ میرے آ

چنا میرے آ میرے آ

گھر واپس آ کر،

جب شام آسمان کے کناروں کو نرم کر رہی تھی،

سماد نے وہ چھوٹا سا اسٹور روم کھولا—

جسے وہ برسوں سے نظر انداز کرتا رہا تھا۔

کمرہ پرانے کپڑوں، بند ڈبوں،

اور ایک کونے میں رکھے ایک سوٹ کیس سے بھرا ہوا تھا۔

اُس کا۔

سمعیہ کا۔

ابھی تک بند۔

ابھی تک انتظار میں۔

وہ اُسے اُس دن سے کھولنے کی ہمت نہیں کر سکا تھا

جب وہ لاہور سے آیا تھا—

چپ چاپ،

سمعیہ کی بہن نے بھیجا تھا

جب موت کے شور تھم چکے تھے۔

مگر اب—

کھڑکی کے بعد،
اس نوٹ کے بعد—
وہ جانتا تھا،
اب وقت آ گیا ہے۔

اس نے سوٹ کیس کھولا۔

اندر کتابیں تھیں۔

درجنوں۔

کچھ کے کونے مڑے ہوئے،
کچھ کے حاشیے میں لکھے گئے نوٹس،
کچھ پر مختلف رنگوں کے مارکر سے لائنیں کھینچی ہوئی تھیں۔
کچھ کتابوں میں چمبیلی کے پھول دبا کر رکھے گئے تھے۔

نیچے ایک پرانا جرنل رکھا تھا،
کپڑے میں لپٹا ہوا،
اور ایک پرانی میرون ربن سے بندھا ہوا۔

وہ فرش پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا،
اور پہلی کتاب اُٹھائی:

"محبت کے چالیس اصول"

اندر کے صفحے پر،
سمعیہ کی خوبصورت لکھائی میں درج تھا:

- "میں اُس محبت پر یقین رکھتی ہوں
جو کبھی ختم نہیں ہوتی—
چاہے اُس کی شکل بدل جائے۔"

سماد کے ہاتھ کانپنے لگے۔
یہ صرف کاغذ نہیں تھے۔
یہ کتابیں... وہ خود تھیں۔

اُس کی سوچیں۔
اُس کی خاموشیاں۔
اُس کے راز۔

چھوٹی سمعیہ نے جھانک کر کمرے کے اندر دیکھا۔

کھلے ہوئے سوٹ کیس کو دیکھ کر
اُس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

- "کیا یہ اُن کی چیزیں ہیں؟"
اُس نے دھیرے سے پوچھا۔

سماد نے اثبات میں سر ہلایا۔

وہ اندر آئی
اور ایک نیلی ڈائری اُٹھا لی—
جس پر دبے ہوئے پھولوں کے نشان تھے۔

- “کیا میں پڑھ سکتی ہوں؟”

سماد رُکا۔

پھر بولا:

- “ہم اکٹھے پڑھیں گے۔”

اُس شام

وہ دونوں فرش پر لیٹی ایک کمبل میں،

کندھے سے کندھا لگائے بیٹھے،

کتابوں کے وہ صفحات پڑھتے رہے

جن پر سمعیہ نے نشان لگائے تھے۔

ایک سطر جو کونے پر لکھی ہوئی تھی،

اُس رات سماد کے دل میں ٹھہر گئی:

- "اگر محبت کبھی گھر ہوتی،

تو میں نے اُسے اُس کی خاموشی میں بنایا۔"

سماد نے کتاب بند کی

اور بیٹی کی طرف دیکھا:

- “وہ ہمیشہ ہم سے مخاطب تھی،”

اُس نے کہا،

“تم سے، مجھ سے—

اُس وقت بھی جب تم پیدا نہیں ہوئیں تھیں،

اور اُس کے جانے کے بعد بھی۔”

چھوٹی سمعیہ اُس کے بازو سے لگ کر مسکرائی:

- "وہ اب بھی لکھ رہی ہیں—

مجھ میں... آپ میں۔"

اور ان کے پاس جلتی موم بتی کی روشنی میں،

وہ کتابیں پھر سے سانس لینے لگیں۔

⭐⭐⭐⭐⭐

کل کے لیے لکھا گیا جرنل

هم نے درد کو بھی اپنا لیا،

شاید وہ بھی تیری نشانی تھی۔

میرون ربن

کسی آہستہ ہوتی سانس کی طرح کھل گئی—

نرم، ساکت، اور ناقابل واپسی۔

سماد نے جرنل کھولا۔

صفحات میں

وقت اور سوکھی گلابوں کی خوشبو بسی ہوئی تھی۔

پہلا صفحہ خالی تھا—

صرف درمیان میں ایک سطر درج تھی،

مدھم ہو چکی سیاہی میں:

- "اُس محبت کے لیے،
جو شاید میں دیکھ نہ سکوں...
لیکن محسوس کرنا کبھی نہیں چھوڑوں گی۔"
—سمعیہ

سماد نے آنکھیں بند کر لیں۔

یہ سطر،
کسی خاموش طوفان کی طرح اُس پر گری—
کیونکہ وہی محبت وہ تھا۔
اور اُس کے ساتھ ساتھ،
وہ ننھی بچی جو ساتھ والے کمرے میں سو رہی تھی—
نرمی سے سانس لیتی ہوئی...
ایک ایسی کہانی کی اگلی قسط
جو کبھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اس نے پڑھنا شروع کیا۔

اندراجات بے ساختہ تھیں۔
فلٹر سے پاک۔
کہانیاں نہیں تھیں—
بلکہ ایک ایسی عورت کے ٹوٹے خوابوں اور حقیقت کے درمیان
چھپے جذبات۔

- "میں اُسے بتانا چاہتی ہوں
کہ جب میں ہنستی ہوں،
تو اس لیے نہیں کہ خوش ہوں،
بلکہ اس لیے کہ بہادر بننے کی کوشش کر رہی ہوں۔"

- "زارا کہتی ہے غم کی شروعات

کھونے سے نہیں،

خاموشی سے ہوتی ہے۔"

- "کچھ راتیں ایسی ہوتی ہیں

جب میں ایک بچی کا تصور کرتی ہوں

جس میں اُس کی خاموشی اور میری چنگاری ہو۔

میں اُسے بھی سمعیہ کہتی ہوں۔"

سماد نے جرنل سینے سے لگا لیا۔

اُس نے اپنی بیٹی کا تصور کیا تھا—

اُس وقت بھی،

جب اُسے معلوم نہیں تھا

کہ وہ کبھی اپنی بیٹی سے مل نہیں سکے گی۔

اگلی تحریر

اُس کی موت سے چند ہفتے پہلے کی تھی:

- "مجھے لگتا ہے میں مدھم ہو رہی ہوں—

جیسے سایہ شام میں گم ہو رہا ہو۔

مگر میں خوفزدہ نہیں ہوں۔

اگر وہ کبھی یہ پڑھے،

تو اُسے بتانا

کہ میں نے دنیا کی بےرحمی کو معاف کر دیا ہے—

کیونکہ اُس نے مجھے اُسے دیا۔"

اب سماد کے آنسو رُکے نہیں۔

وہ بہتے رہے—

نہ سوگ کے بھاری آنسو،

بلکہ وہ ہلکے ہلکے بہتے آنسو

جو تب نکلتے ہیں

جب کوئی ٹوٹا دل آخرکار ٹھیک ہونے لگے۔

رات کو،

اس نے جرنل

چھوٹی سمعیہ کے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

صبح،

جب اُس نے جرنل کھولا،

تو اُس کے انگلیاں صفحات پر یوں چلیں

جیسے وہ اپنی ماں کا چہرہ چھو رہی ہو۔

- "کیا یہ اُنہوں نے میرے لیے بھی لکھا تھا؟"

سماد نے سر ہلایا:

- "انہوں نے اُس بچی کے لیے لکھا تھا

جس کا خواب انہوں نے دیکھا تھا—

اور اُس شخص کے لیے

جس سے وہ محبت کرتی تھیں۔"

"یعنی ہمارے لیے۔"

اُسی رات،

چھوٹی سمعیہ نے جرنل کے آخری خالی صفحے پر

اپنے ٹیڑھے میڑھے مگر خوبصورت حروف میں لکھا:

- "پیارے ماما سمعیہ،

میں اُمید کرتی ہوں

کہ میں آپ کو فخر محسوس کراؤں۔"

سماد دروازے پر کھڑا

یہ منظر دیکھتا رہا—

دل میں یہ احساس

کہ اُس کا گھر پھر سے مکمل ہو چکا ہے۔

⭐⭐⭐⭐⭐

بارش میں چمبیلی

تو آیا زندگی میں، موسم بدل گیا،

تو گیا، اور موسم رک گیا۔

اُس صبح بارش ہوئی۔

ایسی بارش نہیں

جو گرج چمک کے ساتھ آئے—

بلکہ وہ خاموش، نرم سی بارش

جو خامشی میں

یاد کی طرح سرکتی ہوئی آتی ہے۔

سماد کھڑکی کے پاس کھڑا تھا،

کافی کا کپ ہاتھ میں لیے،

بارش کو شیشے پر پڑتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

نیچے باغ سے چمبیلی کی خوشبو

بادلوں کے ساتھ بلند ہو رہی تھی—

ایک ایسی خوشبو

جو سینے کو چیر دیتی تھی۔

چمبیلی۔

ہمیشہ اُسے اُس کی یاد دلاتی تھی—

سمعیہ کی۔

لاہور میں،

سمعیہ کے کمرے کی کھڑکی کے پاس

ایک چھوٹا سا چمبیلی کا پودا تھا—

جس کے پھول صرف شام میں کھلتے تھے۔

ایک بار اُس نے کہا تھا:

"یہ پھول خامشی میں کھلتے ہیں—

بالکل ہماری محبت کی طرح۔"

چھوٹی سمعیہ نرمی سے کمرے میں آئی،

ہاتھ میں تولیہ لیے ہوئے۔

- "بابا،"

اُس نے آہستہ کہا،

"کیا میں بارش میں کھیل سکتی ہوں؟"

سماد نے اُسے دیکھا—

ابھی نیند سے بوجھل آنکھیں،

بکھرے بال—

مگر اُس میں کچھ

اُسی پرانی چمبیلی جیسا تھا:

خاموش حوصلہ۔

وہ مسکرایا:

- "ہاں، مگر تھوڑی دیر کے لیے۔"

باہر بارش اب بوندا باندی میں بدل چکی تھی۔

وہ ننگے پاؤں گیلی گھاس پر دوڑی،

ہاتھ پھیلائے،

گھومتی رہی۔

اُس کی ہنسی

آسمان میں ایک دعا کی طرح بلند ہوئی—

ایسی ہنسی

جو کسی نے جنگ میں نہیں سنی،

لیکن امن کے وارث کے طور پر ملی تھی۔

سماد سیڑھیوں پر بیٹھا رہا،

بارش کے قطرے

اُس کے چہرے کو چھو رہے تھے۔

اُس کا دل

ایک پرانی یاد کی طرف لوٹ گیا—

وہ آخری مون سون

جو اُس نے سمعیہ کے ساتھ گزارا تھا۔

وہ دونوں بھیگ چکے تھے،
مذاق میں شاعری پر جھگڑ رہے تھے۔
اُس کا دوپٹہ بھیگا ہوا،
اُسے لپیٹے ہوئے۔

تب سمعیہ نے اُسے دیکھا
اور کہا:

➢ "جب میں چلی جاؤں،
تو اُمید ہے کہ بارش تمہیں یاد دلائے گی
کہ میں واقعی تھی۔"

اور آج،
وہ موجود تھی۔
بارش نے اُسے نہیں بھلایا۔

جب چھوٹی سمعیہ ہنستی ہوئی،
بھیگی ہوئی واپس آئی،
سماد نے اُسے تولیے میں لپیٹا
اور اُس کے گیلے بالوں پر بوسہ دیا:

➢ "کیا تمہیں معلوم ہے
کہ تمہاری ماما کو چمبیلی بہت پسند تھی؟"

وہ چونکی،
پھر بولی:

- "مجھے بھی پسند ہے!"

سماد نے نرمی سے ہنستے ہوئے کہا:

- "شاید اسی لیے یہ ہمارے لیے کھلتی ہے۔"

اُسی شام،

چھوٹی سمعیہ کھڑکی کے پاس بیٹھی تھی—

ہاتھ میں گرم دودھ کا مگ۔

اس نے ایک چمبیلی کا پھول

ماں کے پرانے جرنل کے صفحے میں رکھ دیا۔

- "ماما کے لیے،"

اُس نے سرگوشی کی۔

باہر بارش تھم چکی تھی—

مگر دنیا اب بھی

یاد کی خوشبو سے بھیگی ہوئی تھی۔

⭐⭐⭐⭐⭐

زارا کی بیٹی

تیری ہر بات اک نظم بنی،

اور تو خود افسانہ ہو گیا۔

وہ ایک سنہری دوپہر تھی—

وہ قسم کی دوپہر

جب دھوپ پردوں سے چھن کر

لالاٹ پر لوری کی طرح اُترتی ہے۔

سماد پرانے خطوط ترتیب دے رہا تھا

جب دروازے کی گھنٹی بجی—

تین ہلکی، اجنبی سی آوازیں

جو اجنبی ہونے کے باوجود

ارادی محسوس ہوئیں۔

دروازہ کھولا تو

ایک نوجوان لڑکی سامنے کھڑی تھی—

دوپٹہ نفاست سے اوڑھا ہوا،

اور آنکھوں میں ہلکی سی سنجیدگی۔

- "کیا آپ… سماد ہیں؟"

اُس نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

سماد نے حیرت سے سر ہلایا۔

وہ گہری سانس لے کر بولی:

- "میں زارا کی بیٹی ہوں۔ میرا نام آیت ہے۔"

یہ نام

کسی پرانی بھولی یاد کی طرح

دل میں کھل گیا۔

زارا—

سمعیہ کی سب سے قریبی دوست۔

اُس کا عکس۔

اُس کی شاعری۔

اور اب…

اُس کی نشانی سماد کے سامنے کھڑی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے—

چائے ویسے ہی پڑی رہی،

اور خاموشی کا بوجھ

دونوں کے بیچ گہرا ہوتا گیا۔

آیت نے بات شروع کی:

- "مجھے اماں کے خطوط کا ایک ڈبہ ملا…
ہر جگہ آپ کا ذکر تھا۔"

سماد ہولے سے مسکرایا:

- "زارا نے سمعیہ کو سنبھالا تھا،
جب دنیا نے اُسے توڑنے کی کوشش کی۔"

آیت کی آنکھیں بھیگنے لگیں:

- "انہوں نے زیادہ نہیں بتایا…
بس یہ کہ سمعیہ نامی ایک لڑکی تھی

جسے وہ بہن کی طرح چاہتی تھیں۔

اور ایک مرد—جسے سمعیہ نے

اپنی روح سے محبت کی۔"

کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔

پھر آیت نے دھیرے سے کہا:

- "میں اُسے جاننا چاہتی ہوں—

صرف اماں کی ڈائری میں نہیں…

بلکہ سچ میں۔ گہرائی سے۔"

سماد اُسے کونے والے شیلف کے پاس لے گیا۔

ایک چھوٹا فوٹو البم نکالا—

پرانے چمڑے کا، کناروں پر گرد جمی ہوئی۔

- "یہی ہے جو میرے پاس بچا ہے اُس کا،"

اُس نے کہا،

اور ایک تصویر پر انگلی رکھی

جس میں سمعیہ ننگے پاؤں باغ میں کھڑی

آسمان کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

آیت خاموشی سے جھک کر تصویر کو دیکھتی رہی۔

اور جیسے

تین وقت ایک ساتھ جُڑ گئے:

دو نوجوان لڑکیوں کا ماضی—

محبت اور شاعری کے خوابوں میں گم۔

دو اجنبیوں کا حال—

غم کی ڈور سے بندھے۔

اور ایک مستقبل—

جس میں شفا کی امید جگمگا رہی تھی۔

چھوٹی سمعیہ راہداری سے جھانک کر دیکھنے لگی۔

سماد نے مسکرا کر اُسے بلایا:

- "یہ تمہاری ماما سمعیہ کی دوست کی بیٹی ہے۔"

چھوٹی سمعیہ نے پلکیں جھپکائیں:

"تو کیا یہ میری خالہ ہیں؟"

سب ہنس پڑے۔

فضا ہلکی ہو گئی۔

آیت نے اُس کا ہاتھ تھاما:

- "شاید خالہ سے زیادہ…

کزن کہہ لو۔

اگر تم مان لو تو؟"

لڑکی نے سر ہلایا، اُس کی انگلیاں تھام لیں:

- "کیا آپ کو کہانیاں پسند ہیں؟
بابا مجھے ہر رات ماما کی کہانیاں سناتے ہیں۔"

- "مجھے سننا بہت اچھا لگے گا،"
آیت نے ہلکی سی رُکتی ہوئی آواز میں کہا۔

اور یوں،
ایک نیا رشتہ جڑنے لگا—
نہ اُن کے بدلے میں جو بچھڑ گئے،
بلکہ اُن کے ساتھ چلتے ہوئے۔

اُسی رات،
آیت کے جانے کے بعد
سماد کافی دیر تنہا بیٹھا رہا۔

زارا کی بیٹی۔
سمعیہ کی یاد۔
چھوٹی سمعیہ کا مستقبل۔

محبت بکھر چکی تھی، ہاں—
مگر اب آہستہ آہستہ
رِشو کی طرح جُڑنے لگی تھی۔

اور اُس گھر کی خاموشی میں،
سماد نے برسوں بعد
ایک اجنبی سا احساس محسوس کیا:

امید۔

⭐⭐⭐⭐⭐

اس کا چھوڑا ہوا خاندان

جو لوگ خاموشی میں محبت کرتے ہیں،

وہ بچھڑ کر بھی کچھ کہہ نہیں پاتے۔

کچھ یادیں ماند نہیں پڑتیں—

وہ بس روح کے گوشوں میں

چپ چاپ لپٹ کر بیٹھ جاتی ہیں۔

آیت کی آمد کے ایک ہفتے بعد،

سماد کو ایک غیر متوقع خط ملا۔

ہاتھ سے لکھا ہوا۔

واپسی پتا نہیں۔

خط میں صرف ایک چھوٹا نوٹ تھا:

➢ "ہم ملنا چاہتے ہیں۔

ہم نے بہت دیر کر دی ہے۔

— ایس۔ ایم۔"

سماد نے کافی دیر تک خط کو ہاتھ میں تھامے رکھا۔

اُنگلیاں ہلکی سی کانپ رہی تھیں۔

سمعیہ کی ماں۔

اسے برسوں ہو چکے تھے
ان دونوں سے ملے ہوئے—
اس رات کے بعد
جب خاموشی نے اُن کی بیٹی کی آواز کو بدل دیا تھا۔

اُسے آج بھی یاد تھا
سمعیہ کے والد کی آنکھوں میں مایوسی،
اور اُس کی ماں کا ساکت چہرہ—
جب وہ ہسپتال پہنچا...
تھوڑی دیر بعد۔

مگر وقت نے سب کو بدل دیا تھا۔
دُکھ نے وہ نرمیاں پیدا کی تھیں
جو غصہ نہ کر سکا۔

سماد نے ملاقات پر ہامی بھر لی۔

ملاقات ہفتے کی دوپہر طے ہوئی۔

اُس نے خاموشی سے اپنا کرتا درست کیا،
بار بار کالر سنوارا۔

چھوٹی سمعیہ نے آ کر اُس کی آستین کھینچی:

- "ہم کہاں جا رہے ہیں، بابا؟"

- "کسی سے ملنے،"

اُس نے نرمی سے اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا،
"جو تمہاری ماما سمعیہ سے بہت محبت کرتا تھا۔"

گھر وہی تھا—
سفید دیواریں،
کناروں سے چڑھتے گلاب،
اور دروازہ وہی پرانا شور کرتا ہوا۔

مگر اب وہ چھوٹا لگ رہا تھا۔
یا شاید... سماد بڑا ہو چکا تھا۔

دروازہ کھلا۔

سمعیہ کی ماں۔

ایک لمحے کو وقت تھم سا گیا۔

چہرے پر جھریاں،
بالوں میں چاندی—
مگر آنکھیں... وہی پرانی گہری آنکھیں—
اب بھی وہی طوفان لیے ہوئے۔

اُس نے چھوٹی سمعیہ کو دیکھا،
جو سماد کے پیچھے چھپی کھڑی تھی،
اُس کا ہاتھ تھامے ہوئے۔

اور پھر وہ رو پڑیں۔

نہ افسوس والے آنسو—
بلکہ پہچان والے۔

- "یہ بالکل اُس جیسی ہے۔"

اندر وہ سب بیٹھے۔
پہلے تو خاموشی چھائی رہی۔
دیوار پر لٹکی گھڑی دل کی دھڑکن بن گئی۔

پھر اُس کے والد بولے:

- "ہم نے دور سے سب دیکھا…
ڈر کے مارے، یا شاید غرور میں،
ہم قریب نہیں آ سکے۔"

- "وہ آپ کی بیٹی تھی،"
سماد نے نرمی سے کہا۔
"آپ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔"

- "وہ صرف بیٹی نہیں تھی،"
ماں نے سرگوشی کی،
"وہ ایک آگ تھی۔
اور ہم نے اُسے خاموشی میں قید کرنے کی کوشش کی۔"

پھر وہ دیر تک بات کرتے رہے۔

سمعیہ کی شاعری کے بارے میں۔

اُس کی ادھوری راتوں کے بارے میں۔

اُن خوابوں کے بارے میں

جنہیں وہ کبھی اُڑان نہیں دے سکے۔

اُس درد کے بارے میں

جو اُنہوں نے اُس کی غیر موجودگی میں دفن کر دیا تھا۔

پھر ایک حیرت انگیز لمحہ آیا۔

ماں نے چھوٹی سمعیہ کی طرف دیکھا:

- "کیا…

کیا میں اُسے گود میں لے سکتی ہوں؟"

سماد نے سر ہلایا۔

چھوٹی سمعیہ آہستہ سے اُن کے بازوؤں میں جا بیٹھی۔

اور برسوں بعد،

سمعیہ کی ماں نے اپنی بیٹی کا نام

پہلی بار بغیر ٹوٹے ہوئے پکارا:

- "سمعیہ۔"

گھر واپسی پر،

چھوٹی سمعیہ نے پوچھا:

- "کیا وہ ماما سمعیہ کے اماں ابا تھے؟"

سماد نے ہاں میں سر ہلایا۔

- "کیا وہ اُنہیں یاد کرتے ہیں؟"

- "ہر دن۔"

وہ خاموش ہو گئی،
باہر کھڑکی سے دیکھتی رہی۔

- "تو شاید…
ہمیں دوبارہ اُن سے ملنا چاہیے،
تاکہ وہ تنہا نہ رہیں۔"

سماد نے مسکرا کر اُسے دیکھا—
آنکھیں نم ہو گئیں۔

- "ہاں، میری جان۔
مجھے لگتا ہے وہ سمعیہ کو بہت خوشی دے گا۔"

اُسی رات،
سماد نے اپنی ڈائری میں لکھا:

- "شفا کبھی ایک دم نہیں آتی۔
یہ لمحوں میں آتی ہے،

معافی میں،

ایک چھوٹے ہاتھ کی نرم گرفت میں—

اور اُس ماضی کو چھوڑ دینے میں

جسے ہم نے سچ سمجھ لیا تھا۔

⭐⭐⭐⭐⭐

باغ جیسے وہ نہ چھوڑ سکی

محبت کی جڑیں شاید قبر میں نہیں مرتی،

وہ خوابوں میں پھولتی ہیں۔

چنبیلی کا درخت اب بھی بہار میں کھلتا تھا۔

سماد نے اُسے تب ہی دیکھ لیا

جب وہ اُس پرانی گلی میں مڑے

جہاں وہ اور سمعیہ

کبھی بےشمار ان کہی باتوں کے سائے میں

چلا کرتے تھے۔

یہ چھوٹی سمعیہ کا خیال تھا—

اُس نے ایک پرانی فوٹو البم میں وہ گھر دیکھا تھا

اور نرمی سے پوچھا تھا:

- "ہم اُس باغ میں جا سکتے ہیں

جہاں ماما سمعیہ بیٹھا کرتی تھیں؟"

سماد کچھ لمحے رکا۔

پھر سر ہلا دیا۔

کچھ جگہیں کبھی ہمیں چھوڑتی ہی نہیں۔

وہ بار بار پکارتی ہیں۔

گھر اب کسی اور کا تھا،

مگر نئے مکین مہربان نکلے۔

جب سماد نے فون کر کے سب سمجھایا،

تو انہوں نے خوشی سے ملاقات کی اجازت دی۔

یوں، باپ اور بیٹی پہنچے—

ایک ہاتھ میں کیمرہ،

اور دوسرے میں یادوں کے کئی برس۔

دروازہ چرچراتے ہوئے کھلا۔

ہوا میں پرانے لکڑی اور سوکھے پھولوں کی مہک تھی۔

ڈرائنگ روم بدلا ہوا تھا—

اب ہلکے نیلے رنگ میں رنگا ہوا—

مگر سیڑھیوں کے پاس والا کھڑکی

ابھی بھی ویسی ہی تھی۔

- "یہیں وہ میرا انتظار کیا کرتی تھی،"

سماد نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

- "کیا وہ زیادہ دیر انتظار کرتی تھیں؟"

چھوٹی سمعیہ نے پوچھا۔

- "کبھی کبھی،"

وہ مسکرایا،

"مگر امید کے بغیر کبھی نہیں۔"

پیچھے باغ میں

چنبیلی کا درخت اور اونچا ہو چکا تھا۔

سفید پھول ہوا میں ہلتے

گویا نرم گھنٹیوں کی طرح بجتے ہوں،

اور اُن کی خوشبو میں

ایک گھر جیسا سکون چھپا تھا۔

سماد نے آگے بڑھ کر

ایک پھول کو آہستہ سے چھوا—

اور اُسے سمعیہ یاد آئی:

ننگے پاؤں،

ہاتھ میں نوٹ بک،

بال ڈھیلے بندھے،

اور وہ سطریں لکھتی

جنہیں شاید صرف پھول ہی سمجھ سکتے تھے۔

- "کیا ماما سمعیہ کو واقعی چنبیلی پسند تھی؟"

چھوٹی سمعیہ نے جھک کر ایک گرا ہوا پھول اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

- "وہ کہتی تھیں،

اِس کی خوشبو یادوں جیسی ہوتی ہے،"

سماد نے سرگوشی کی۔

وہ کچھ دیر درخت کے نیچے بیٹھے۔

چھوٹی سمعیہ نے چند پتیاں اپنی نوٹ بک میں رکھیں،
نرمی سے اُنہیں صفحات کے بیچ دبا دیا۔

- "میں کچھ لکھنا چاہتی ہوں،"
اُس نے کہا۔

- "ماما کی طرح؟"

- "جی۔
شاید اُن جتنا اچھا نہیں…
مگر اُسی محبت سے۔"

سماد نے مسکرا کر کہا:
"یہی تو سب سے خاص ہے۔"

اُس نے آہستہ آہستہ لکھنا شروع کیا—
الفاظ دُہراتے ہوئے،
دل سے سوچ کر:

- "یہ اُن کا باغ ہے،
مگر میں یہاں بھی کھلتی ہوں۔
کیونکہ ماما کی محبت
وہ تھی جو جڑوں سے پھوٹتی ہے۔"

واپسی کے راستے میں
سماد خاموش تھا۔
مگر یہ وہ خاموشی نہیں تھی

جو بوجھ دیتی ہے—
یہ وہ خاموشی تھی
جس کی آغوش میں پھول کھلتے ہیں۔

اُس نے سوچا:
سمعیہ ضرور خوش ہوتی
اپنی بیٹی کو اُس چنبیلی کے نیچے دیکھ کر۔

کہ وہ، اپنی غیر موجودگی میں بھی،
کچھ خوبصورت چھوڑ گئی تھی۔

اُسی رات،
سماد نے اپنی پرانی فائل کھولی—
جس میں ادھوری نظمیں تھیں۔

اُس نے ایک نیا صفحہ شامل کیا:

- "وہ ایک باغ چھوڑ گئی—
اور ایک بیٹی
جو خاموشی میں بھی کھِلنا جانتی ہے۔"

⭐⭐⭐⭐⭐

جو ہم چھوڑ جاتے ہیں

ہم نے تجھے دل میں دفن کیا،
اور دل کو کبھی زمین نہ ملی۔

گھر خاموش تھا—

شام کی سنہری روشنی سے بھرا ہوا،

جس میں خاموشی بھی کسی دُعاء کی طرح گھلی تھی۔

چھوٹی سمعیہ فرش پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی،

نوٹ بک کھلی ہوئی،

چاروں طرف کاغذوں کے ٹکڑے پھیلے تھے—

کہیں تصویریں،

کہیں ادھوری نظمیں۔

ایک کونے میں ایک پرانا لکڑی کا صندوق تھا—

کھڑکی کے نیچے،

جسے سماد نے برسوں سے نہیں کھولا تھا۔

یہ سمعیہ کا تھا۔

چھوٹی سمعیہ نہیں،

بلکہ وہ سمعیہ

جس کی خاموشی آج بھی

سماد کی ہر سانس میں گونجتی تھی۔

وہ بیٹی کے پاس بیٹھا،

جو اپنے لفظوں میں مصروف تھی۔

- "اب کیا لکھ رہی ہو؟"

اُس نے پوچھا۔

- "ایک خط،"

اُس نے کہا۔

"اُس کے لیے جس سے کبھی نہیں ملی۔"

خط مختصر تھا:

- پیاری ماما سمعیہ،

میں نہیں جانتی آپ کی آواز کیسی تھی،

مگر بابا کہتے ہیں آپ نرمی سے بولتی تھیں۔

مجھے نہیں معلوم آپ کو ہنسی کس بات پر آتی تھی،

مگر بابا کہتے ہیں آپ کی ہنسی روشنی جیسی تھی۔

کبھی کبھی، جب وہ مجھے دیکھتے ہیں،

تو لگتا ہے جیسے آپ کو دیکھ رہے ہوں۔

اور یہ بات مجھے خوش کر دیتی ہے۔

محبت کے ساتھ،

سمعیہ۔

سماد کا گلا بھر آیا۔

وہ صندوق کی طرف بڑھا—

اُسے اُس احترام سے کھولا

جیسے کوئی نفل ادا کرتا ہے۔

اندر وہ چیزیں تھیں

جو عام نظر میں معمولی تھیں—

ایک دوپٹہ،

ایک انگوٹھی،

ایک پرانا بورڈنگ پاس

جو مری کی ٹرین کے سفر سے تھا،

اور ایک سوکھا پھول

جو کسی دن کی یاد میں

ڈائری میں رکھا گیا تھا

جس پر لکھا تھا:

"یہ مجھے آج کی یاد دلاتا ہے۔"

اور نیچے...

ریشم میں لپٹا ایک ڈھیر خطوں کا۔

سب کے سب سماد کے نام۔

مگر کبھی پوسٹ نہیں کیے گئے۔

اُس نے پہلا خط کھولا۔

سمعیہ کی تحریر آج بھی ویسی ہی تھی:

- میرے پیارے،

کبھی دل کرتا ہے سب کچھ کہہ دوں،

اور کبھی کچھ بھی نہ کہوں۔

شاید اصل محبت ایسی ہی ہوتی ہے—

الفاظ سے ماورا۔

مگر میں پھر بھی لکھتی ہوں،

کیونکہ لکھنا مجھے مٹنے سے بچاتا ہے۔

- اگر میں یہ سب جیت نہ سکی،

تو مجھ سے ایک وعدہ کرنا:

جیو۔

آدھے دل سے نہیں،

پورے طور پر۔

دوبارہ محبت کرنا۔

ہماری اولاد سے۔

بارش سے۔

اُس خاموشی سے

جس میں ہم نے ادھوری شاعری لکھی۔

- اور اگر کبھی ہماری بیٹی پوچھے

کہ میں کیسی عورت تھی—

تو بتانا کہ میں وہ تھی

جسے تم سے اتنی محبت تھی

کہ عمر کی ضرورت ہی نہ پڑی۔

- ہمیشہ،

سمعیہ۔

سماد نے خط کو ہلتے ہاتھوں سے تہہ کیا۔

چھوٹی سمعیہ قریب آ چکی تھی،

آنکھیں نم تھیں۔

- "کیا یہ اُن کی طرف سے تھا؟"

اُس نے پوچھا۔

- "ہاں،"

اُس نے دھیمی آواز میں کہا،

"تمہاری پیدائش سے پہلے لکھا گیا تھا…

مگر لگتا ہے جیسے آج ہی کے لیے لکھا ہو۔"

لڑکی نے خط کو چھوا،

اُنگلیاں اُن لفظوں پر پھسلتی گئیں۔

- "مجھے لگتا ہے وہ ہم پر فخر کرتیں،"

اُس نے آہستہ سے کہا۔

"آپ پر…

مجھ پر۔"

- "مجھے یقین ہے وہ ضرور کرتیں۔"

اُسی رات،

سماد نے وہ خط

چھوٹی سمعیہ کی تصویر کے ساتھ

شلف پر رکھ دیا۔

ایک ماں کے لفظ۔

ایک بیٹی کا دل۔

ساتھ ساتھ۔

محبت…

کبھی کھوئی نہیں—

بس

بدل جاتی ہے۔

--- ⭐⭐⭐⭐⭐ ---

غربت میں تینو چیڑ گھتاں

میرے کروڑاں ورگھے یار ونا دیتیں۔

عبداللہ کسی نہ کسی "اشکل" میں ضرور مبتلا ہے۔
کیا کرے اس کا مزاج ہی کچھ ایسا ہے۔"فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنون میرا...."